حجِ اکبر
مائل خیرآبادی

مائل ملیح آبادی

حج اکبر

از مطبوعات مکتبۂ دین و ادب، لکھنؤ

اس ناول کے جملہ واقعات، کردار، مقامات اور ادارے فرضی ہیں اور ان کا کسی جگہ، واقعہ یا ادارے سے تعلق نہیں کسی فرد مقام یا ادارے سے مطابقت قطعی اتفاقیہ ہے اور اس کے لئے مصنف یا پبلشر اور پرنٹر کسی طرح کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے

ناشر ... ... مکتبہ دین وادب، ۱۰ الاٹوش روڈ لکھنؤ
بہ اہتمام ... ... ساجد صدیقی ۔ والی آسی
طابع ... ... نامی پریس لکھنؤ
پہلی بار ... ... جون سنہ ۱۹۷۰ء
قیمت ... ... پانچ روپے (پچاس پیسے)

ملنے کا پتہ

مکتبہ دین وادب، ۱۰ الاٹوش روڈ، لکھنؤ

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
دل بدست آور کہ حج اکبر است

(شیخ سعدیؒ)

ایک ناول

حرفِ آغاز!

روسی ادیب ٹالسٹائی نے حجِ اکبر کے نام سے ایک مختصر افسانہ لکھا تھا اس افسانے کا ماحول روسی تھا اور مذہبی، کردار عیسائی۔ میں نے اس افسانے کو بنیاد بنا کر یہ ناول لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ناول کا ماحول ہندوستانی ہونا چاہیے؟ کردار ہندو یا مسلمان ہیں۔ اپنی قوم کی ایک شدید بیماری کی طرف بھی اس ناول میں اشارے کئے ہیں۔ وہ بیماری ہے "فرقہ پرستی" میرا یقین ہے کہ یہ بیماری ہندوؤں اور مسلمانوں کی روح میں نہیں ہے۔ مفاد پرست طبقے کوشش کرتے رہتے ہیں کہ فرقہ پرستی کی لعنت کو پیدا کر کے اپنے ناجائز مفاد کی حفاظت کرتے رہیں۔

میں یہ تاثر دینا نہیں چاہتا کہ حج کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ خود حج کا مقصد بھی درس ہے جو اس ناول کا بنیادی کردار رحمت انجام دیتا ہے۔ کاش ہمارے تمام حاجی فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد رحمت بن کر حجِ اکبر کا ثواب حاصل کرنے کی بھی کوشش کریں جس کی اس ملک کے حالات میں بڑی گنجائش ہے۔

مائل ملیح آبادی

ملیح آباد، لکھنؤ

اکتوبر ۱۹۶۸ء

ایک

● ملیح آباد بڑا سرسبز قصبہ ہے۔ یہاں آم کے گنجان باغ ہیں اور گیہوں کی فصل بہت اچھی ہوتی ہے۔ نہروں سے پہاڑ کا سرد پانی آتا ہے اور بجلی کی مشینوں سے کنوئیں کا پانی نکال کر کھیتوں اور باغوں کو سینچا جاتا ہے جب آم میں بور آتا ہے تو پورا قصبہ بور کی خوشبو سے مہک اٹھتا ہے اور جب سرسوں پھولتی ہے تو ہر طرف زرد زرد مخمل سے بچھے ہوئے نظر آتے ہیں اور سرسوں کی بھینی بھینی خوشبو کا دیر چاروں طرف پھیل جاتا ہے

یہ قصبہ لکھنؤ شہر کے قریب ہے۔ لکھنؤ صوبہ "اتر پردیش" کی راجدھانی ہے اگر آپ ریل گاڑی سے دہلی سے سفر کریں تو لکھنؤ سے تیرہ چودہ میل پر آموں کے باغوں کے بیچ سے گاڑی گزرنے لگے گی اور آپ اس قصبے کو پہچان جائیں گے۔ پوری لائن پر اتنے گنجان باغ آپ کو کہیں اور نہیں ملیں گے۔

اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ قصبہ کھیتی باڑی کا قصبہ ہے اور یہاں کی آبادی کسانی اور باغبانی ہی کرتی ہے۔ شہر کی مصروف اور صنعتی زندگی یہاں نہیں ہے۔ تجارت ہوتی ہے۔ مگر اس تجارت کا تعلق شہری تجارت سے نہیں ہے

ایک اچھا بازار ہے جس میں ضرورت کی سبھی چیزیں ملتی ہیں۔ یہیں لکھنؤ کی بڑی بڑی تھوک دکانوں سے کپڑا آتا ہے۔ اور سرکاری غلے اور شکر اور مٹی کے تیل کی دوکانیں کھلتی ہیں۔

ہر ہفتے میں دو دن، اتوار اور بدھ کو بازار لگتا ہے۔ اس بازار میں کسان اپنی کھیتی کی چیزیں بیچتے ہیں۔ آلو، ہری مرچ، ہرا ہرا دھنیا، پیاز، لہسن، گاجریں مولیاں، گوبھی کے پھول، ٹماٹر ـــــ یہ سب ـــ بڑی گھما گھمی رہتی ہے اور بڑا بیوپار ہوتا ہے۔

اب آپ اس قصبے کے بارے میں جان گئے ہوں گے کہ یہ کیسا بارونق اور سرسبز اور روزگاری قصبہ ہے۔

مگر جس آسانی کے ساتھ قصبے کو پہچاننے کی بات کہی جا سکتی ہے اس آسانی سے یہاں کے آدمیوں کے بارے میں کچھ لکھنا بہت مشکل ہے۔ شاعروں نے بہت پہلے ہی کہا تھا کہ ہر آدمی ایک محشر خیال ہے۔ کوئی شے بھی اتنی رنگا رنگ نہیں ہوتی جتنا کہ آدمی۔ شفق میں بہت سے رنگ ہوتے ہیں۔ مگر آدمی کے رنگوں سے کم۔ نہ اسے اوپر سے دیکھ کر پہچانا جا سکتا ہے اور اندر سے دیکھ کر۔ بہت ہی تجربہ کار نگاہیں بھی صرف ایک لمحے کے لئے کسی کے بارے میں رائے قائم کر سکتی ہیں، لمحات کے لئے نہیں۔ کیونکہ ادھر آپ نے پلک جھپکائی اور سامنے کا آدمی، اس کا چہرہ، اس کے اوپر کا روپ اور اندر کا انسان بدل گیا۔ ہر لمحہ، ہر آن بدلتے رہنے والا انسان نہ تحریر کی گرفت میں آ سکتا ہے۔ اور نہ تجربے کے دائرے میں۔

پھر میں یہاں کے آدمیوں کے بارے میں کیا لکھوں؟

انسان نہ اچھا ہے نہ برا۔ اس کے بارے میں کوئی رائے قائم مت کرو۔ دل میں ہر وقت اور ہر لمحے خیالات آتے اور جاتے رہتے ہیں۔ انسان انھیں خیالات کا بندھ ہے۔ جس رفتار سے خیالات بدلتے ہیں، اسی رفتار سے وہ بھی بدلتا رہتا ہے۔ اور لکھنے والے نے ابھی پہلی سطر بھی ختم نہیں کی تھی کہ معلوم ہوا، سامنے کا آدمی بدل گیا۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں کسی آدمی یا کچھ لوگوں کے بارے میں لکھنا شروع کروں اور لکھتے لکھتے اس آدمی کی زندگی کا رخ بدل جائے تو آپ یہ اعتراض نہ کریں کہ لکھنے والے نے انسانی زندگی کی صحیح تصویر نہیں پیش کی، وہ بہک گیا۔

اچھا تو وہ سامنے کا مکان دیکھیے۔ پکا مکان ہے۔ اور دور ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کسی خوشحال آدمی کی یہاں سکونت ہے۔

سید نصرت علی صاحب۔ اس مکان کے قریب ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے تھے۔ اس مکان میں ان کے بڑے بھائی کی بیوہ رہا کرتی تھیں۔ باپ کے مرنے کے بعد اس بڑے مکان کا نصف حصہ سید نصرت علی کو بھی ملا تھا لیکن انھوں نے اپنا حصہ بڑے بھائی کے ہاتھ بیچ کر نقد روپیہ لے لیا کیونکہ انھیں تجارت کے لئے روپے کی ضرورت تھی۔

شاید اس روپے سے انھوں نے محل کے قریب بے کار پڑی ہوئی زمین پر ایک چھوٹا سا مکان بنا لیا اور اسی میں رہنے لگے۔ اکیلے آدمی تھے۔ ابھی شادی نہیں کی تھی۔ ان کے لئے یہ مکان بھی بہت بڑا تھا۔ اور اگر کوئی مناسب قیمت دیکر یہ مکان خریدنا چاہتا تو وہ اسے بیچ کر روپیہ نقد کر لیتے۔

بڑے بھائی گرہست آدمی تھے۔ انھوں نے وراثت میں ملی ہوئی جائداد کو ترقی دینے کے لیے، باغات لگائے اور پرتی زمینوں کو قابل کاشت بنایا۔ ان کی بیوی بھی بڑی باوقار اور دین دار عورت تھیں۔ کوئی بچہ نہیں تھا۔ اخراجات بہت کم اور سلیقہ بہت زیادہ تھا۔ اندر سے باہر تک شان ریاست نظر آتی تھی۔

زندگی کا اعتبار تو کبھی کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ بڑے بھائی سید ریاست علی بڑے بڑے منصوبے رکھتے تھے، ان منصوبوں پر عمل بھی شروع کر دیا تھا لیکن یکایک موت کے فرشتے نے اپنی سرد انگلیاں ان کی نبضوں پر رکھ دیں اور نبضیں بند ہوگئیں۔

بڑا کہرام اور شور ہوا۔ پورا قصبہ جیسے انکے غم میں شریک ہو گیا۔ موت ناگہانی بھی تھی اور عالم شباب میں آگئی تھی۔ کئی دن کے بعد کوٹھی پر سکون سا چھا گیا اور یہ سکون ایک مستقل سناٹے میں بدل گیا۔ اتنے بڑے مکان میں ان کی بیوہ کے سوا کوئی نہ تھا۔

آپ جہاں رہتے ہیں کیا وہاں ایسے شکاری آدمی ملتے ہیں جو جائدادوں کا شکار کھیلتے ہیں؟ ایسے آدمی جن کے پاس قصبے کے ہر آدمی کی مالی حالت، جائداد، جائداد کے جھگڑے، رہن و بیع کرنے کے ارادے، شادی کی پریشانی میں روپیہ کی ضرورت اور ایسی ہی ہر بات کا ریکارڈ رہتا ہے۔ اس قصبے میں بھی دو ایک ایسے آدمی موجود ہیں۔ آج کل ان کی آمد و رفت سید نصرت علی صاحب کے پاس زیادہ ہے۔

"اب جائداد کا کیا ہوگا؟" ایک دن باقر صاحب نے پوچھا!

سید نصرت علی صاحب نے غمگین لہجے میں جواب دیا، "جب تک بھابی زندہ ہیں یا دوسری شادی نہیں کر لیتیں، سب کچھ انھیں کا رہے گا۔"

باقر صاحب نے ان کی طرف دیکھا۔ کہا ــ" مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ شریف بھائی کا یہی جواب ہونا چاہیئے تھا۔"

"جی ہاں" نصرت علی نے کہا ــ" میرے بھی آگے پیچھے کون بیٹھا ہے۔ جب بھابی اپنے بارے میں فیصلہ کرلیں گی تو انھیں کی رضامندی سے ان کا حق انھیں دے دوں گا اور اپنا خود لے لوں گا۔"

"مگر اب گھر بھی بسا لو۔" باقر صاحب نے کہا اور وہ مسکرائے۔

" نصرت علی نے جواب دیا۔" اس کی کوئی خاص ضرورت تو ہے نہیں۔"

" بوڑھے باقر صاحب نے انداز بزرگانہ کے ساتھ کہا۔" واہ ضرورت کیوں نہیں ہے خاندان میں تم ہی دو بھائی تھے۔ اللہ نے ریاست کو بھی اٹھا لیا۔ اب بھائی عنایت کی نسل تمھیں سے چلے گی۔ اتنی بڑی جائداد کے لئے آئندہ وارث تو تمھاری ہی نسل سے پیدا ہوگا۔ شادی کی ضرورت کیوں نہیں ہے"۔

انھوں نے زور دے کر کہا۔" جب تک ریاست زندہ تھا میں نے تم پر زور نہیں دیا لیکن اب تو زبردستی تمھاری شادی کراؤں گا۔ کیا تم پر میرا حق نہیں ہے"

"کیوں نہیں؟" نصرت علی نے آہستہ سے جواب دیا۔

باقر صاحب بولے ۔" بھائی عنایت علی سے میرے جیسے تعلقات تھے وہ تو تمھیں معلوم ہی نہیں ہیں۔ اس وقت تم بچے ہی تھے۔ اگر ان کا کوئی حقیقی بھائی ہوتا تو اس کے ساتھ بھی ان کا ایسا ہی برتاؤ ہوتا جیسا کہ میرے ساتھ تھا کتنی خوبیوں کے لوگ تھے ۔" بھائی عنایت علی۔ افسوس موت نے بڑی جلدی کی۔ وہ تو کہتے تھے کہ دس بیگھ باغ تیرے لئے باقر لگوائے بغیر نہیں مروں گا" اور باقر

صاحب نے اپنے اوپر رقت طاری کرنے کی کوشش کی. ناک چھنکی، اور آنکھوں کو رومال سے دبایا۔ لیکن وہاں آنسو نہیں تھے۔

"آپ کی جیسی خوشی." نصرت علی نے غمگین لہجے میں جواب دیا۔ "والدمرحوم کی یاد دلاکر آپ نے نئے اور پرانے زخم ہرے کر دئیے۔"

اس نے نکلنے والے آنسوؤں کو دامن سے پونچھ ڈالا۔

باقر صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا "تم لا پرواہ قسم کے آدمی ہو. اب میرے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ تمھارے معاملات پر نظر رکھوں. ورنہ یہ جائداد تباہ ہوجائے گی۔"

"آپ کی شفقت کا شکریہ" نصرت علی نے آہستہ سے کہا۔

باقر صاحب چلے گئے

نصرت علی نے آنکھیں پونچھیں۔ دروازہ بند کیا اور کرسی پر لیٹ کر سوچنے لگے کہ باقر صاحب کا کیا منصوبہ ہو سکتا ہے۔

وہ جانتا تھا کہ باپ باقر صاحب سے نفرت کرتے تھے بیٹوں کو بھی نصیحت کرتے تھے کہ اس شخص سے ہوشیار رہنا. قصبے میں یہ شخص جس کے پیچھے لگ جائے گا اسے تباہ کرکے چھوڑے گا. نصرت علی کو ان کی نصیحت بھی یاد تھی اور خود بھی کئی گھرانوں کو تباہ وبرباد ہوتے دیکھا تھا۔

چونکہ زیادہ تفصیل سے بات نہیں ہوئی تھی اس لئے نصرت علی باقر صاحب کا مطلب سمجھ نہ سکے. سمجھ میں آیا تو بس اتنا ہی کہ شاید انھوں نے کسی کی لڑکی کے ساتھ ان کی شادی کرا دینے کا بیڑا اٹھایا ہے۔

اس واقعہ کے اندر دس بارہ دن کے بعد ایک دن صبح کی چائے پر باز صاحب پھر موجود تھے۔

"اپنے ہاتھ سے چائے بنائے بغیر سیری نہیں ہوتی۔" وہ چولھا پھونکتے ہوئے بولے ——"سویرے کی چائے کے قریب تمھاری چچی کو بھی آنے نہیں دیتا۔ جب خود بنا کر پی لیتا ہوں، تب وہ سب کے لئے بناتی ہیں۔" کیتلی میں پتی ڈالتے ہوئے بولے ——" بھلا اس تناسب سے کون پتی ڈال سکتا ہے، زیادہ ہو جائے گی یا کم —— اور یہاں ایک پتی کی کمی بیشی بھی منظور نہیں ہے۔ لائٹ ہو جائے گی یا اسٹرانگ"

نصرت علی کی طرف دیکھ کر کہا —— صبح کی چائے خود بنانے کی عادت ڈالو بھتیجے اس سے مستعدی بھی پیدا ہو گی اور ذائقہ بھی بننے لگا۔"

کیتلی کھول کر دیکھتے ہوئے بولے ——" سبحان اللہ کیا رنگ آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے عناب گھول دیئے گئے ہیں۔ یہی اصلی رنگ ہے —— نہ سیاہ نہ کھورا۔ —— عنابی۔"

مسکرا کر کہا ——" مولانا آزاد کو کیا سلیقہ ہو گا۔ چائے کی پتی اصل چیز ہے جیسے وہ بازار سے لاتے نہ ہوں گے، معلوم نہیں کہاں رکھی سنی ہو نوکر تو اٹھا لائے گا —— اور میں بازار چھان ڈالتا ہوں۔ پنساری کے یہاں سے ڈبہ لیا اور پتی بیکار نکلی۔ وہ تو ہر طرح کی خوشبو دار اور بدبو دار چیزوں کے ساتھ چائے کے ڈبے میں بھر دے گا۔ کوئی خوشبو یا بدبو پتی کے قریب سے نکلی اور پتی نے اس کا اثر قبول کر لیا۔ بس پھر چائے نہیں رہی۔"

پیالی میں انڈیلتے ہوئے فخریہ نگاہوں سے نصرت علی کی طرف دیکھ کر بولے
چائے کے اس فلسفے پر مولانا آزاد کی نظر ہی نہیں گئی تھی۔ انھوں نے تو بس کیتلی کے
بعد کی چائے کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ضروری یہ تھا کہ پتی کے حاصل کرنے کا ذکر کرتے"
پیالی نصرت کی طرف بڑھا کر بولے ۔۔۔" دیکھو بیٹے! اللہ نے کیسی نعمت پیدا
کی ہے اور اس کے ساتھ چائے بنانے والے کیسا کافرانہ برتاؤ کرتے ہیں۔"
نصرت علی نے پیالی اٹھائی۔ کہا ۔۔۔" واقعی آپ کے ذوق کی داد دینا ہوگی۔"
باقر صاحب نے فخریہ انداز میں کہا ۔۔۔" اب اپنی پسند کے مطابق شکر اور دودھ
ملا لو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اصل کام رنگ بنانا ہے مجھے شکر بھی زیادہ
پسند ہے اور دودھ بھی۔" اتنا کہہ کر انھوں نے دودھ اور شکر کی پیالیاں کھینچ
کر اپنی آدھی پیالی دودھ سے بھری اور تین چار چمچے شکر ڈال کر بولے ۔۔۔" آج اس
دن کی ادھوری بات کو مکمل کر لو۔"
ایک گھونٹ پی کر کہا ۔۔۔" شادی کی بات کو۔"
نصرت علی نے بھی ایک گھونٹ پی کر کہا ۔۔۔" غور کر رہا ہوں۔ ابھی فیصلہ
نہیں کیا ہے ؟"
باقر صاحب سنجیدہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر بولے ۔۔۔" عنایت علی
مرحوم سے جو تعلقات تھے ان کی بنا پر میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تمھاری جائداد، یعنی
تمھارے باپ دادا کی جائداد غیروں کے ہاتھ میں چلی جائے۔ اسی کی مجھے فکر تھی ورنہ
تمھاری مرضی۔ جو چاہو کرو۔"
یہ کہہ کر انھوں نے خاموشی کے ساتھ چائے پینا شروع کی۔

عنایت علی نے کہا ــــ غیروں کے ہاتھ میں کیسے چلی جائے گی۔ داخل خارج تو میرے ہی نام ہوگا۔"

باقر صاحب نے بالکل ہی بے تعلقی کے ساتھ کہا ــــ وہی تو کہہ رہا ہوں، ہوگا غیر لے جائیں گے۔"

نصرت علی نے ان کی طرف دیکھا۔

وہ ایک لمحہ خاموش رہے پھر پیالی ایک زور سے میز پر رکھتے ہوئے بولے تم ابھی بچے ہو۔ زمانے کے رنگ کو کیا جانو۔ داخل خارج تمھارے نام نہیں ہوگا۔ بھابی کے نام ہوگا۔"

نصرت علی نے کہا ــــ ان کے حصے ہی کے مطابق تو، میں ان کے جائز حق میں ذرا بھی کمی نہیں کرنا چاہتا۔"

"باقر صاحب نے جیسے غصے کے ساتھ کہا ــــ کیا بک رہے ہو۔ نسبت کی خبر بھی ہے۔ ریاست علی مرحوم نے اپنی تمام جائداد بیوی کے نام لکھ دی ہے۔ تمھیں اس میں سے ایک بسوہ بھی نہیں ملے گا۔"

نصرت علی نے تعجب کے ساتھ باقر صاحب کی طرف دیکھا

"ہاں جو میں کہہ رہا ہوں۔ باقر صاحب نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا۔ میرے سوا قصبے میں کسی کو خبر نہیں ہے۔ جائداد، گھر منقولہ اور غیر منقولہ تمام سامان آپ کی بھابی جان کا ہے صاحبزادے کسی کو اپنا نہ کہہ دیجیے گا۔"

نصرت علی نے پریشانی کے ساتھ باقر صاحب کو دیکھا۔ ان پر اس اطلاع سے بجلی سی گر گئی تھی کیونکہ وہ بھائی کی جائداد کو بلا شرکت غیرے اپنا حق سمجھ رہے تھے۔

پوچھا ــــ "کیا اس کا کاغذی ثبوت مل سکتا ہے۔"

"کیوں نہیں ؟" باقر صاحب نے کہا ــــ "رجسٹرار کو دس روپے دینا ہونگے دستاویز کی تاریخ اور سرسری نقل مل جائے گی۔"

"ایک پیالی چائے اور پیجئے۔" نصرت علی نے اپنے ہاتھ سے کیتلی اٹھا کر باقر صاحب کی پیالی میں رنگ ڈالا۔ حالانکہ ایک لمحہ پہلے وہ چاہتا تھا کہ باقر صاحب جتنی جلدی تشریف لے جائیں اتنا ہی اچھا ہے"

باقر صاحب نے دوسری پیالی بھی دودھ اور شکر سے بھری ہوئے ۔ تم خود بھی معائنہ کر سکتے ہو اور میں بھی یہ کام کر سکتا ہوں ۔ حالانکہ مجھے تو سب معلوم ہی ہے۔"

نصرت علی نے کہا ــــ " مجھے رجسٹری کی تاریخ مل جائے تو آپ ہی سے نقل بھی نکلوا لوں۔ اس کے بعد ہی کوئی کارروائی کی جا سکتی ہے ۔"

" یہ سب میں کر دوں گا۔" باقر صاحب نے کہا ــــ " مگر تم میرے قریب تو آؤ۔ ابھی تمہارا دل مجھ سے نہیں ملا ہے۔ بخدا میں تمہیں اپنا بچہ ہی سمجھتا ہوں اسی لئے تو جو بات تمہیں معلوم نہیں تھی ۔ اس کا پتہ میں نے لگا رکھا تھا۔"

ٹھنڈی سانس لیکر کہا ــــ" مجھ سے پھٹے پھٹے رہو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے ۔"

پیالی خالی کر کے میز پر رکھ دی ۔

نصرت علی نے جواب دیا ــــ" یہ آپ نے کیسے سمجھا کہ پھٹا پھٹا رہتا ہوں میں تو آپ کا بڑا احترام کرتا ہوں۔"

"اگر یہ سچ ہے" باقر صاحب بولے ۔ "تو سمجھو کہ اپنی زندگی سدھار رہے ہو"
انھوں نے تھوڑا سا آگے جھک کر کہا ۔ "بھابی سب جائداد بیچ باچ کر
اپنے گھر جانے کی سوچ رہی ہیں ۔ بات چیت چل رہی ہے ۔ کیا تم یہاں کے شکاریوں
کو جانتے نہیں ہو، ان کے آدمی بھابی تک پہنچ چکے ہیں ۔ چالیس پچاس سال
کا ٹھیکہ ہو جائے گا ۔ یا بک جائے گی ۔"

نصرت علی نے کہا ۔ "مجھے تو ایسی خبر نہیں ۔"

باقر صاحب نے ایک پیالی اور بنانے کا انتظام کیا ۔ "وہ خبر بھی ہو جائے
گی ۔ مگر اس وقت جب تیر کمان سے نکل چکا ہو گا ۔"

نصرت علی نے پوچھا ۔ "پھر مجھے کیا کرنا چاہیے ۔"

"فوراً شادی کر لینا چاہیے" باقر صاحب نے کہا ۔ "اور اپنے چچا کا منہ
میٹھا کرانا چاہیے ۔"

نصرت علی نے پوچھا ۔ "شادی سے یہ مسئلہ کیسے حل ہو گا؟"

"تم بھی عجیب ہو ۔" انھوں نے پیالی میں دودھ بھرتے ہوئے کہا ۔
"ارے میاں، بھابی سے شادی کر لو سب جائداد تمھیں مل جائے گی ۔ یہ بھی کوئی
بہت زیادہ سوچنے سمجھنے کی بات ہے"

انھوں نے چائے کا ایک گھونٹ پیا ۔

نصرت علی خاموشی کے ساتھ سوچنے لگے ۔ "کیا یہ ممکن بھی ہے ۔"

باقر چچا بولے ۔ "میں دوہرا کام کر رہا ہوں بلکہ تہرا ۔"
کچھ ٹھہر کر کہا ۔ "تمھیں راضی کر رہا ہوں، تمھارے ساتھ میں بھابی کو بھی

تیار کر رہا ہوں اور پھر اُن آدم خوروں کو بھی روک رہا ہوں جو کتنی ہی جائدادیں کھا کر بھوکے ہیں ۔ کیا تم ان لوگوں سے واقف نہیں ہو ۔"

نصرت علی نے مسکرا کر کہا ۔"آپ کی محبت کا شکریہ ! بزرگ ایسے ہی وقت کے لئے تو ہوتے ہیں ۔"

باقر چچا نے سنجیدہ چہرے کے ساتھ کہا ۔" تو میں یہ سمجھوں کہ تم بھابی سے شادی کے لئے تیار ہو ۔ اگر ایسا ہو تو انھیں بھی راضی کرنے کی کوشش کروں ۔"

ایک لمحہ ٹھہر کر نصرت علی نے کہا ۔" ہاں کیجئے ۔"

" دیکھو پھر نکل نہ جانا " باقر چچا نے آنکھیں نکال کر کہا ۔" اگر بدل گئے تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا ۔"

نصرت علی ہنسنے لگے ۔ بولے ۔" آپ اطمینان رکھیں ۔ جو کہیں گے وہی ہوگا"

بہت زیادہ تفصیل میں نہ جا کر باقر چچا کی کوششوں کا ذکر کر دیں اور یہ بھی کہ ان کوششوں کا انجام کیا ہوا ۔

باقر چچا کی دوڑ دھوپ کے بعد بھی بھابی جائداد بیچنے یا ٹھیکہ کرنے پر راضی نہیں ہوئی تھیں ۔ تب انھوں نے آدم خوروں سے مشورہ کیا ۔ انھوں نے رائے دی کہ جب بھابی کسی طرح تیار نہیں ہیں تو ایسا ہونا چاہئے کہ کسی طرح جائداد نصرت علی کے پاس آجائے ۔ نصرت علی لاابالی آدمی ہیں وہ بیچنے پر ضرور تیار ہو جائیں گے ۔

اس مشورے کے بعد باقر چچا نے نصرت علی کو بھی شیشے میں اتارا اور بھابی کو بھی زمانے کے نشیب و فراز سمجھا کر کسی کا دامن پکڑ لینے کا مشورہ دیا ۔۔۔

اور جب بھابی ذرا آمادہ ہوئیں تو اپنی پیدائشی مہارت سے کام لے کر نصرت علی سے شادی پر راضی کر لیا۔

ادھر نصرت علی سے ایسی خدمت کرائی کہ بھابی ان کے خلوص سے شکست کھا گئیں۔

لیکن اتفاق سے نصرت علی سب سے عقلمند ثابت ہوئے، انھوں نے اندر ہی اندر نیا منصوبہ بنایا۔ بھابی، باقر چچا، آدم خور سبھی ان کے مقابلے میں چت ہو گئے۔

نصرت علی نے بھابی سے رہن و بیع کے تمام حقوق اپنے نام منتقل کرائے اور پھر بھابی کے لئے پاکستان کا ایک مستقل سکونتی ویزا حاصل کر کے انھیں پاکستان ان کے عزیزوں کے پاس روانہ کر دیا۔ طے یہ ہوا کہ ہندوستان کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ نصرت علی بھابی کے جانے کے بعد جائداد فروخت کر کے پاکستان چلے جائیں گے۔ اور پھر وہیں بھابی سے شادی کر لیں گے۔

بھابی کے جانے کے بعد انھوں نے باقر چچا کی معرفت آدم خوروں سے ٹھیکے کرنے کی بات چیت تو جاری رکھیں لیکن رفتہ رفتہ جائداد اپنے نام منتقل کرانے کی جدوجہد بھی کرتے رہے۔ پیسہ خرچ کر کے جائز اور ناجائز طریقوں سے جائداد کا اندراج کاغذات سرکاری میں ان کے نام ہو گیا۔

اور جب وہ ان جھگڑوں کی طرف سے مطمئن ہو گئے تو انھوں نے بڑے انتظام اور سلیقے کا ثبوت دیا۔ شادی بھی کر لی۔ گھر کو اور تاندار بنایا۔ نماز روزے کی طرف دھیان دیا۔ لوگ ان سے مطمئن ہو گئے، ہاں باقر چچا نے

ہر طرح کا تعلق توڑ لیا کیونکہ انھیں سید صاحب سے کچھ ملنے کی امید نہیں رہ گئی تھی اور اس پورے قصبے کو سترہ۔ اٹھارہ سال گذر گئے۔ لوگ یہ بھی بھول گئے کہ سیّد صاحب پہلے نصرت علی کہلاتے تھے۔ انھوں نے اپنی بھابی سے فریب کیا تھا اور وہ بیچاری معلوم نہیں پاکستان میں کہاں خاک چھانتی پھر رہی تھیں اب وہ سیّد صاحب کہلاتے تھے ــــ اس قصبے میں ان کی بہت مان دان تھی رئیسوں میں بھی شمار ہوتا تھا اور دین داروں میں بھی۔

دو ـ !

● رحمت نے ذرا فصل سے پہلے ہی خربوزہ بو لیا تھا جس وقت اس کی پہلی کھیپ لکھنؤ کی منڈی میں پہونچی تو وہاں دو ایک ۔ کسانوں کے سوا کوئی بھی خربوزہ لے کر نہیں آیا تھا ۔ ابھی کم از کم پندرہ دن باقی تھے ۔ جب پوری طرح خربوزہ اترنے لگے گا ۔

اس طرح رحمت کو بہت اچھے پیسے ملے اور اس نے گھر واپس آکر کھیت کو جلدی جلدی پانی دینا شروع کیا تاکہ کم فصل زیادہ سے زیادہ تیار ہو جائے اور وہ بازار کا بھاؤ گرنے سے پہلے ہی اپنی فصل بازار پہونچا دے ۔

سید صاحب نے ایک دن کھیت پر آکر کہا ــ "سنا ہے بڑی رقم مار رہے ہو آج کل رحمت ــ"

"آپکی دعا ہے" وہ بولا ــ "محنت کی تھی ۔ اللہ نے اس کا اچھا معاوضہ دیا ۔"

سید صاحب بولے ــ "اب ذرا نماز کی پابندی کی طرف بھی دھیان دو ۔

جب اللہ اپنا فضل کرے تو اس کا شکر بھی ادا کرنا چاہیئے ۔"

" شکر تو ادا ہی کرتا ہوں ۔" رحمت بولا ــــ دو پھل روز منڈی کی مسجد میں اللہ میاں کے لئے رکھتا ہوں سید صاحب ۔"

سید صاحب نے مسکرا کر کہا ــ" ہاں احمق ہو رحمت اللہ تعالے کو کہیں تمھارے پھلوں کی ضرورت ہے "

رحمت نے پوچھا ــ پھر شکر کیسے ادا ہوتا ہے ؟"

" اس کے احکام پر عمل کرو" سید صاحب بولے" فرائض ، واجبات ادا کرتے رہو ۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھو ۔مسجد میں پھل چڑھا دینے سے کچھ نہیں ہوتا ۔"

رحمت کی سمجھ میں کم آیا ۔ فرائض واجبات ،حقوق اور حقوق العباد، کچھ بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا ۔مگر یہ بات، اس کی سمجھ میں نہ آ سکی کہ جب وہ اللہ کے نام پر اس کے گھر میں دو پھل روزانہ چڑھاتا ہے تو اسے اللہ قبول کیوں نہیں کرے گا ۔

وہ سید صاحب کی طرف دیکھتا رہ گیا ۔

سید صاحب نے کہا ــ" کبھی کسی دن خربوزے بھیجو ــ تمھاری بھاوج کہہ رہی تھیں کہ رحمت کے یہاں خربوزہ اتر رہا ہے اور انھیں کھانے کو نہیں ملتا بڑے تعجب کی بات ہے ۔"

پھر مسکرا کر کہا ــ" میں دو ہی پھل تو پسند کرتی ہیں ــ خربوزہ اور شریفے تمھارے گھر والے درختوں کے شریفے تو انھیں اتنے پسند ہیں کہ مل جائیں تو

ایک خربوزہ بھی تمھارے لئے نہ چھوڑیں۔"

رحمت نے کہا ــــ "میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ خربوزوں کی کیا بات ہے پانی لگانے اور دوڑ دوڑ حفاظت کرنے میں یاد نہیں رہا۔ نہیں تو کب کے پہنچ گئے ہوتے۔"

"خیر کوئی بات نہیں" سید صاحب نے چلتے ہوئے کہا ــــ "پیسے دو چار دن بعد ملیں گے۔"

"بھلا پیسوں کی کیا بات ہے ــ" رحمت نے کہا ــــ "گھر کی چیز کے پیسے نہیں دیئے جاتے۔"

"پھر بھی۔" سید صاحب نے کہا ــــ "آخر منڈی لے جاتے ہو۔ روپیہ تو ملتا ہی ہے۔"

"منڈی میں ملتا ہے۔" رحمت مسکرا کر بولا ــــ "گھر میں بچے کھاتے ہیں تو کہاں ملتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" سید صاحب بولے ــــ "خیر بھیج دینا۔ کوئی آئینے میں دیکھے گا کوئی آرسی میں۔"

اور وہ ہنستے ہوئے واپس چلے گئے۔

ہمیں نہیں یاد کہ سید صاحب نے کبھی آرسی بھی دیکھی ہو وہ صرف آئینے میں دیکھنے کے قائل تھے۔ دوسروں کے آئینے میں۔

جب وہ دوسرے دن وہ منڈی کی مسجد میں دو خربوزے رکھنے پہونچا تو وہاں کچھ لوگ جمع تھے اور ایک مسلمان تقریر کر رہا تھا۔

رحمت جاکر پیچھے بیٹھ گیا۔

تقدیر ہو رہی تھی۔

"حضرت ابراہیم نے اپنے کو خدا کے حوالے کر دیا تھا۔ انھوں نے کہا ــــ

"میرے پروردگار، میں ساری دنیا کی طرف سے منہ پھیر کر تیری طرف رخ کرتا ہوں

تو بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اس وعدے کے بعد اللہ تعالےٰ نے ان کی آزمائش کی۔ اس ملک کے

بادشاہ نمرود نے انھیں پکڑ لیا، اور کہا کہ میری اور میرے دیوتاؤں کی عبادت

کرو ورنہ تجھے آگ میں پھونک دوں گا

حضرت ابراہیم نے جواب دیا ــــ" اے بادشاہ نمرود کیا میں یہ جاننے کے

بعد بھی کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہی جسے چاہتا ہے جلاتا ہے

اور جسے چاہتا ہے مار ڈالتا ہے، تیری اور تیرے دیوتاؤں کی عبادت کرنے لگوں گا"

بادشاہ نے حکم دیا کہ حضرت ابراہیم کو آگ میں جلا ڈالا جائے۔

میدان میں آگ سلگائی گئی۔ جب لکڑیاں دہک کر انگارہ بن گئیں، تو

حضرت ابراہیم کو وہاں لایا گیا ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں، ان سے توبہ

کرنے کے لئے کہا گیا۔ ماں باپ نے بھی سمجھایا، لیکن انھوں نے اللہ کا انکار نہیں

کیا۔ وہ یہی کہتے رہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اور پھر انھیں آگ میں پھینک دیا گیا۔

نجمت کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ خربوزے ہاتھ سے چھوٹ کر مسجد کے فرش

پر گر پڑے۔

لوگوں نے اس کی طرف دیکھا۔

رحمت نے اپنے کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ہونٹ تھرتھرا رہے تھے

مقرّر نے پھر کہا ۔۔۔ "کافروں کا خیال تھا کہ وہ آگ میں جل کر راکھ ہو جائیں گے لیکن اللہ نے آگ کو حکم دیا ۔۔۔ "اے آگ، گلزار بن جا اور ابراہیم کی حفاظت کر" بس انگارے گلاب بن گئے، اور حضرت ابراہیم پھولوں کے اندر اطمینان سے چلنے پھرنے لگے۔

نمرود اور اس کی قوم ہار گئی حضرت ابراہیم تن تنہا سب سے جیت گئے اور اللہ نے انھیں خطاب عطا فرمایا ۔۔۔ ابراہیم خلیل اللہ ۔۔۔ ابراہیم اللہ کے دوست۔"

رحمت کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہہ نکلی ۔ وہ جلدی جلدی آنسو پونچھنے لگا۔

مقرر نے کہا ۔۔۔ "اور پھر اللہ نے اپنے خلیل اور دوست کو ایک مرتبہ پھر آزمایا۔

انھوں نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے ۔۔۔ "اپنی سب سے پیاری چیز میری راہ میں قربان کرو۔"

انھوں نے اپنے گلّے میں سے بہت اچھے اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کر دیئے۔

دوسری رات پھر یہی خواب دیکھا۔

انھوں نے اور زیادہ اونٹ قربان کئے۔

تیسری رات پھر یہی خواب دیکھا۔

اب انھوں نے سوچا اونٹوں کی قربانی اللہ نے قبول نہیں کی میری پیاری چیز میرا بیٹا ہے۔ اس سے زیادہ میں کسی سے محبت نہیں کرتا۔ شاید اسی کی قربانی کا مطالبہ ہو رہا ہے۔

سوچ بچار کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے پیارے بیٹے اسماعیل کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔

رحمت گھٹی گھٹی سسکیوں کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پس انھوں نے بیٹے کو ساتھ لیا۔ رسی اور چھری لی۔ گھر سے بیٹے کو پہاڑی کی طرف لے گئے، اور کہا کہ اے بیٹے اللہ کا حکم ہے کہ تمھیں اس کی راہ میں قربان کر دوں ۔"

بیٹے نے جواب دیا ـــ" جب اللہ کا حکم ہے تو دیر نہ کیجئے۔ میری ایسی سیکڑوں جانیں اللہ کے حکم پر قربان کی جا سکتی ہیں۔"

حضرت ابراہیم نے بیٹے کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے انھیں اوندھا گرا دیا اور آنکھیں بند کر کے چھری ان کی گردن پر رکھ دی ـــ بسم اللہ اللہ اکبر ـــ"

رحمت چیخ اٹھا، اس کی سسکیوں سے مسجد گونجنے لگی۔

لوگوں نے حیرت سے ایک کسان کی عقیدت کو دیکھا۔

مقرر نے کہا:ـــ

" جب انھوں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل الگ کھڑے ہیں اور زمین پر ایک مینڈھا ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کی قربانی

قبول کرلی اور انہیں پوری دنیا کا پیشوا بنا دیا۔

رحمت بالکل بے قابو ہو گیا تھا، اس نے سر اپنی گود میں جھکا دیا تھا۔ اور سسکیاں لے رہا تھا۔

مقرر نے آخر میں کہا ــــ

اسی یادگار کو تازہ کرنے کے لئے پوری دنیا کے خدا پرست حضرت ابراہیم کے بنائے ہوئے گھر خانۂ کعبہ کی طرف ہر سال کھنچے چلے جاتے ہیں ــــ شوق اور عقیدت کے ساتھ ــــ بے چین اور والہانہ

مقرر بیٹھ گیا۔ لوگ اٹھنے لگے۔

رحمت بھی آنکھیں پونچھتا ہوا اٹھا۔ خربوزے فرش پر پڑے رہے جنہیں کسی لڑکے نے اٹھالیا اور دوسرا لڑکا اس سے جھگڑنے لگا۔ مسجد سے نکل کر رحمت نے آنکھیں پونچھیں اور دل میں کہا :ــــ "دو خربوزے مسجد میں چڑھا دینے سے کچھ نہیں ملتا۔ سید صاحب نے سچ کہا تھا۔"

اس دن شام کو وہ سید صاحب کی بیوی کے لئے خربوزے لیکر گیا۔

"واہ وا" سید صاحب چیخے ــــ "کیسے اچھے خربوزے ہیں۔ بالکل زرد خوشبو پھوٹی نکل رہی ہے۔ دیکھو کریم کی ماں، رحمت بھائی کیسے اچھے خربوزے لائے ہیں"

سیدانی صاحبہ! دروازے کے پاس آگئیں۔ بولیں :ــ "شکریہ رحمت بھائی بڑی تکلیف کی۔"

رحمت نے مسکرا کر کہا ــــ میں تو اس پر شرمایا جا رہا ہوں کہ ابھی تک آپ

کے لیے خربوزے بھیجے کیوں نہیں؟"

"کوئی بات نہیں" سیدانی بولیں ۔" چند روز میں سبھی کے یہاں اترنے لگیں گے. جہاں پیسہ دیا جائے گا مل جائے گا ۔ لیکن آپ کے خربوزوں کی بات کہاں ملے گی ۔ واہ کیسی اچھی خوشبو ہے ۔"

اور وہ خربوزے لیکر اندر چلی گئیں ۔

" بہت پسند ہیں" سید صاحب مسکرا کر بولے ۔

رحمت بھی مسکرانے لگا ۔

پھر اس نے پوچھا ۔" سید صاحب حج کو کیسے جایا جاتا ہے ۔"

سید صاحب نے عجیب طرح کا منھ بنا کر اس کی طرف دیکھا ۔" بس کمال ہو گیا رحمت ۔ ابھی کل ہی میں نے سوچا تھا کہ تم سے کہوں ، اللہ نے دیا ہے تو ایک حج بھی کر ڈالو ۔۔۔ اور تم خود ہی آج پوچھ رہے ہو ۔ اللہ نے تمھارے دل میں یہ بات ڈالی ہے ۔ میں تو بالکل تیار بیٹھا ہوں ۔ امسال حج ضرور کروں گا ۔"

" کیسے ہوتا ہے ؟" رحمت نے پوچھا ۔

سید صاحب مسکرا کر بولے ۔۔" پہلے ارادہ کیا جاتا ہے ۔ پھر درخواست دی جاتی ہے ۔ پھر ٹکٹ خرید ا جاتا ہے ۔ پھر اللہ کے گھر جایا جاتا ہے ۔ انھوں نے رحمت کی طرف دیکھ کر پوچھا ۔" نیت کی ہے ؟"

" ہاں رحمت نے آہستہ سے کہا ۔" مگر خرچ کیا ہوگا ۔"

" بس تین ہزار میں سب ہو جائے گا" ۔ سید صاحب نے کہا ۔" میں تو خیر زیادہ خرچ کروں گا ۔ مگر تم تین ہزار میں اس فرض سے ادا ہو جاؤ گے ۔"

رحمت نے کانپتے ہوئے لہجہ میں کہا ـــ " پھر میرا انتظام کرادو سید صاحب ۔ موت زندگی کا کیا بھروسہ "

" شاباش !" سید صاحب نے جوش کے ساتھ کہا ـــ مسلمان کا یہی جذبہ ہونا چاہیئے ۔ میں نے بھی سوچا کہ دنیا کے جھگڑے تو ساتھ لگے ہوئے ہیں ۔ وہ کبھی ختم نہیں ہوں گے ۔ اللہ کے فرض سے تو ادا ہی ہو لوں ۔ بس اس کا کرم ہے جسے یہ توفیق عطا کردے ۔"

" کیوں نہیں ۔ رحمت نے قربانی والے واقعہ کو یاد کرکے کہا ۔

سید صاحب بولے ـــ " مگر حج کے لئے حلال کمائی کا پیسہ ہونا چاہیئے ۔"

رحمت ایک لمحہ خاموش رہ کر بولا ـــ میرے پاس تو سب محنت سے کمایا ہوا پیسہ ہے ۔ کوئی اور کمائی تو ہے نہیں "

" کیوں نہیں " سید صاحب بولے ـــ " میں نے تو ایک شرعی مسئلہ بیان کیا ہے ۔ پاک کمائی سے حج کرنے کا حکم ہے ۔"

" رحمت کچھ سوچ کر کہنے لگا ـــ " میرے خیال میں تو پاک ہی کمائی ہے اگر کوئی ناپاک سکہ آگیا ہو تو اللہ مجھے معاف کرے ۔"

سید صاحب نے کہا ـــ " وہ بڑا ہی غفور الرحیم ہے ۔ معافی مانگنے والوں کو معاف کردیتا ہے ۔"

رحمت نے یکایک پوچھا ـــ وہاں حضرت ابراہیم کا گھر ہے "

" ہاں " سید صاحب نے جواب دیا ـ " حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کا بنایا ہوا گھر جو انھوں نے ایک اللہ کے

نے بنایا تھا۔"

کوئی بادشاہ تھا جو اپنے کو خدا کہتا تھا" رحمت نے پوچھا۔

"ہاں نمرود مردود" سید صاحب نے جواب دیا۔"اس وقت پوری دنیا غیر اللہ کی عبادت کرتی تھی۔ حضرت ابراہیم پہلے آدمی تھے جنھوں نے ایک اللہ کی عبادت کے لئے ریگستان میں کعبہ بنایا۔ جو رہتی دنیا تک خدائے واحد کی عبادت کا مرکز بنا رہے گا۔"

رحمت نے عقیدت کے ساتھ کہا۔" انھیں آگ نے بھی نہیں جلایا۔ آگ پھول بن گئی۔"

"ہاں ــــ" سید صاحب بولے ـــ" اللہ نے حکم دیا ـــ" اے آگ سلامتی کے ساتھ گلزار بن جا۔"

رحمت کانپتے ہوئے لہجے میں کہنے لگا ـــ" اللہ کی راہ میں بیٹے کو بھی قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ اللہ کے کیسے فرمانبردار بندے تھے۔"

"اور کیا ؟ سید صاحب نے جواب دیا ـــ" تبھی تو ہم لوگ آج تک پنج وقتہ نمازوں میں ان پر سلام بھیجتے ہیں۔"

"یہی بات ہے" رحمت بولا ـــ" ان کے بنائے ہوئے گھر کی زیارت کو جانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔"

"ہاں سید صاحب نے کہا ـــ" اللہ نے بھی اس زیارت کو فرض قرار دیا ہے۔ لیکن اس نے اپنے رحم وکرم سے ہماری حالت پر نظر کرکے انھیں معاف کردیا ہے جو وہاں تک جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔"

۔ رحمت بولا ۔" اللہ سب کو جانے کی توفیق دے۔"
دروازے کے پاس سے سیدانی نے پوچھا ۔ کتنے پیسے ہوئے رحمت بھائی ۔"

سید صاحب جلدی سے بولے ۔" وہ ہو جائے گا تمھیں پیسوں کی کیا فکر ہے بھئی۔ میں نے سب سمجھ لیا ہے ۔ ہنس کر کہنے لگے ۔ گھبراؤ نہیں جب تک دوسری بارٹیاں نہیں چلتیں تمھیں روزانہ دو چار کھیل مل جایا کریں گے ۔"
پھر رحمت کو دیکھ کر کہا ۔ عجیب عورت ہیں تمھاری بھابی بھی ۔ بغیر خربوزوں کے جیسے کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا ۔ پہلا خربوزہ کھانے کے بعد آخیر فصل تک کوئی دن ناغہ نہیں ہو سکتا ۔ اور کیا ۔"
رحمت نے اٹھتے ہوئے کہا ۔" جب تک میرے یہاں ہیں کھیت سے لینے کی ضرورت نہیں ۔"
" وہ ٹھیک ہے ۔ سید صاحب بولے ۔ مگر بیٹھو تو ۔ یہ تو بتاؤ کہ تمھارا فارم آرم نمبر لوں ۔ جانے کا پکا ارادہ کر لیا ہے ۔ گھر والوں سے مشورہ کر چکے ہو ۔"
" آپ انتظام کیجیے ۔ رحمت نے کہا ۔" اور سب ہو جائے گا ۔"
" پہلے گھر میں طے کر لو ۔" سید صاحب نے کہا ۔ بعد کو تھبکڑا نہ پڑے
" سیدانی نے پوچھا ۔" کیا معاملہ ہے کیا حج کا فارم خرید رہے ہیں ۔"
" ہاں " ۔ سید صاحب نے کہا ۔" اب ہم دونوں ساتھ ساتھ جائیں گے ۔"

رحمت نے چلتے ہوئے کہا ۔۔۔ "میں چلوں گا اس میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑے گی ۔"

"سلام علیکم !"

"وعلیکم السلام !"

رحمت کے جانے کے بعد بیوی نے پوچھا ۔۔۔ "کیا سچ مچ جا رہے ہو ۔"

سید صاحب مسکرا کر بولے ۔۔۔ "تیار کر رہا ہوں ، راستے میں بہت آرام پہونچائے گا ، اپنے ہاتھ سے کھیتی کسانی کرتا ہے ۔ کھانا آنا بھی پکا لیتا ہے ۔ سفر میں ایسے آدمی بہت کام آتے ہیں ۔"

اور رحمت کی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی نظر آئی ۔ ایک بے نیاز سا انسان جو کچھ کھویا کھویا سا رہنے لگا ۔ لوگ اس سے خربوزوں کا ذکر کرتے اور وہ ادھر اُدھر سے گھما پھرا کر حضرت ابراہیم ، حضرت اسماعیل اور خانۂ کعبہ کا ذکر چھیڑ دیتا اب خربوزے بیچنے اس کا لڑکا جانے لگا تھا ۔

یکا یک وہ نماز کی طرف متوجہ ہوا ۔

ایک دن اس نے سوچا ۔۔۔ اللہ نے نماز پڑھتے رہنے کا حکم دیا ہے پھر میں باقاعدہ کیوں نہیں پڑھتا ؟

حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم پر لڑکے کو قربان کر دیا تھا ۔ کیا میں تھوڑی سی تکلیف جھیل کر نماز بھی نہیں پڑھ سکتا ؟

اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ پنجوقتہ نماز پڑھنے لگا ۔

جب دین کی طرف متوجہ ہوا تو حج کا اشتیاق اور بڑھ گیا ۔ یہ بات لوگوں کو معلوم

معلوم ہوا کہ سید صاحب کے ساتھ رحمت بھی حج کو جا رہا ہے۔ لوگ کہنے لگے
"مبارک ہو، اللہ تمھیں حاجی بنائے۔"

"آپ سب کی دعا ہوگی تو اللہ حج کو لے جائے گا۔" وہ کانپتے ہوئے لہجے
میں کہتا۔

"وہاں چیزیں سستی ملتی ہیں۔" لوگ کہتے۔ "ہم قیمت دے دیں گے
کچھ چیزیں لیتے آنا۔"

وہ بے دلی کے ساتھ کہتا۔ "اچھا مل گئیں تو لے آؤں گا۔"

"میرے لڑکے کو عربی ریڈیو کا بڑا شوق ہے۔" پڑوس کے شیخ صاحب نے کہا
رحمت نے ان کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ "اگر زندہ واپس آیا تو لیتا
آؤں گا۔"

"زندہ" شیخ صاحب نے بہت ہی تعجب کے ساتھ کہا۔ "ہزاروں آدمی
جاتے ہیں کیا سب مر ہی جاتے ہیں۔"

"ان کی بات اور ہے" اس کی آواز کانپنے لگی۔ "جہاں حضرت ابراہیمؑ
اور حضرت اسماعیلؑ کے رہنے کی جگہ ہو۔ جہاں ہمارے نبیؐ نے کھڑے ہو کر نماز
پڑھی ہو۔ اس جگہ کو دیکھ کر کیا میرا دم نہیں نکل جائے گا بھائی؟" اور اس کی آنکھوں
سے آنسو بہنے لگے۔

شیخ صاحب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

رحمت نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "میرا دل کہتا ہے کہ زندہ نہیں آسکتا۔
وہ سب دیکھ کر میں ضرور مر جاؤں گا۔"

شیخ صاحب نے مشورہ دیا ــــ "جب تمھارا دل اتنا کمزور ہے تو نہ جاؤ رحمت بھائی ــــ"

رحمت بولا یہ بھی تو نہیں ہو سکتا۔ اب یہاں بھی نہیں رہ سکتا جو کچھ اللہ کو منظور ہے وہی ہوگا۔"

شیخ صاحب نے یہ نتیجہ نکالا کہ رحمت کا دل جانے کو نہیں چاہتا۔ دنیا کی شرم سے جا رہا ہے یا پھر اپنی شہرت کے لئے۔

ہوتے ہوتے یہ بات یقینی ہو گئی کہ دونوں آدمی حج کو جائیں گے کیونکہ ان کی درخواستیں منظور ہو گئی تھیں۔ اور ٹکٹ کے دام جمع ہو گئے تھے۔ اب سب کو یقین ہو گیا کہ رحمت حج کو جا رہا ہے۔

تین ـــــ!
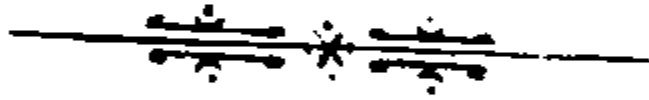
● سید صاحب کو ہار اور پھول سے لاد دیا گیا۔ ان کے دروازے پر بڑا ہجوم تھا۔ صبح میلاد شریف ہوا۔ اس کے بعد لوگوں نے مبارکباد دی۔ قریبی عزیزوں اور دوستوں نے صدقے اتارے، خیرات بانٹی ـــــ اور یہ سب سید صاحب کے لئے ہوا۔ حالانکہ رحمت بھی اسی جگہ موجود تھا۔ صرف چند بدھیاں اور دو ایک ہار ہی اسکے گلے میں ڈالے گئے۔ یہ ہار پھول اس کے گھر والوں کے تھے یا اس کے پرانے مزدور سیتارام کے؛

سید صاحب نے لکھنو جانے کے لئے ٹیکسی کی تھی، اس میں دونوں کا سامان رکھا گیا۔ اور جانے کا وقت قریب آ گیا۔

سید صاحب اپنے دونوں بیٹوں کو تاکید کر رہے تھے ـــــ "باغوں کی دیکھ بھال سے غافل نہ ہونا۔ نہر آجائے تو پانی ضرور لگانا۔ سیدھی طرح پانی نہیں ملے گا جب تمھارے باغ ہوجائیں تب کسی اور کو لگانے دینا"

"بہت اچھا!" لڑکوں نے سر ہلا کر کہا۔

سید صاحب نے ٹیکسی کی کھڑکی کھولی۔ پھر پلٹ کر کہا ــ "غفور پر دو سو روپے باقی ہیں۔ وہاں کٹتے ہی وصول کر لینا ورنہ پھر نہیں ملیں گے۔"

"اچھا" لڑکے بولے۔

وہ سیٹ پر بیٹھ گئے۔

پھر یکایک بولے ـــ "اور ہاں وکیل کے پاس جانا نہ بھولنا۔ کہنا کسٹوڈین کی کارروائی کو روکے رہیں۔ جو کچھ روپیہ خرچ ہوگا پائی پائی ادا کردوں گا حساب رکھیں اور کام بنانے کے لئے روپئے کا منھ نہ دیکھیں۔"

رحمت کا لڑکا دوسری کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ باپ کو آخری مرتبہ سلام کیا۔

"رحمت نے آہستہ سے کہا ـ" اللہ کی حفاظت میں دیا۔"

پھر ایک لمحہ ٹھہر کر بولا ــ" سیتارام کو ادھر بلاؤ۔"

لڑکے نے سیتارام کو کھڑکی کے قریب بلایا۔

رحمت نے کہا ــ دیکھو سیتارام نعمت تمھارا خیال رکھے گا۔ جس چیز کی ضرورت ہو اس سے مانگ لینا۔"

پھر نعمت سے کہا ــ" سیتارام کا خیال رکھنا۔ یہ بھوکا رہا تو میری روح کو تکلیف ہوگی نعمت۔"

بس سیتارام غریب ہاتھ جوڑ کر رہ گیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں اور ہونٹ کانپنے لگے۔

رحمت بولا ــ" جاؤ اللہ تمھاری مدد کرے گا، خدا حافظ!"

سیتارام نے گلوگیر لہجے میں اتنا ہی کہا ـــ "خدا حافظ۔ خیریت کا خط بھیجنا بھیا۔"

"ضرور" رحمت نے جواب دیا۔

اور گاڑی اسٹارٹ ہوگئی۔

سید صاحب آخری نصیحت کر رہے تھے ـــ "مزدوروں کو پیشگی مزدوری دے دی تو بیٹھ رہیں گے، دو چار دن کی بقایا رکھنا تبھی کام ہو سکے گا۔"

اور ٹیکسی آگے بڑھی۔

"فضا میں اللہ اکبر کے کئی نعرے گونجے۔

سید صاحب نے کچھ آیتیں پڑھ کر اپنے دست و بازو پر پھونکیں۔ ایک لمحہ انگلیوں پر وظیفہ پڑھا۔ پھر دعا مانگی۔ چہرے پر ہاتھ پھیرے، اور ایک گہری ٹھنڈی سانس چھوڑی۔

رحمت نے ان کی طرف دیکھا۔

سید صاحب بولے۔ "ناتجربہ کار لڑکے ہیں، کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ اتنا سمجھانے پر بھی واپس آکر سب کام چوپٹ ملے گا۔"

رحمت بولا ـــ "لڑکے اتنا کہاں کر سکتے ہیں۔"

"تمھارا لڑکا کرے گا" ـــ سید صاحب بولے ـــ "وہ ماشا اللہ بہت ہی سیانا ہے۔ یہ تو ہمارے ہی دونوں بدھو ہیں۔ کھانے اور پہننے کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں۔"

رحمت نے آہستہ سے کہا ـــ "میں نے تو یہاں کی ہر چیز سے رشتہ توڑ لیا ہے

جنھیں جو کرنا ہے خود کرلیں گے۔"

سید صاحب نے اسے دیکھ کر کہا ــــ "تمھارا معاملہ ہی کتنا ہے چار پانچ بیگھہ زمین، اسی کو کھودنا، گوڑنا۔ لڑکا یہ سب کرے گا۔ مگر میرا معاملہ بھی تو کتنا بڑا ہے زمین، باغ، مکانات، مقدمے، لوگوں پر قرض، ادھار، اس کی وصولیابی ــــ تمھارا ایسا معاملہ ہوتا تو میں بھی ہر چیز سے رشتہ توڑ لیتا۔"

رحمت بولا ــــ میں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے دنیا کو زیادہ پیچھے نہیں لگایا۔ بڑی آسانی سے میں نے سب بندھن توڑ لئے۔ اللہ کے گھر کی زیارت کے سوا اب کوئی فکر نہیں رہ گئی ہے۔"

اس کی آواز کانپنے لگی۔

سید صاحب نے اس کی طرف دیکھا اور پھر وظیفہ پڑھنے لگے۔

ٹیکسی میں سید صاحب کے ساتھ بہت سامان تھا۔ کھانے کا سامان کتنی ہی تھیلیوں میں بھرا ہوا تھا۔ کتنے ہی حلوے ڈبوں میں بھرے ہوئے تھے۔ اصلی گھی کا پورا پیپا تھا۔ شکر کی پوری تھیلی تھی جس میں کم سے کم بیس سیر شکر ہوگی مصالحوں کے ڈبے تھے۔ کئی طرح کے چاول تھے۔ دالیں، آٹے اور خشک میوے ــــ غرض دنیا کی کتنی ہی چیزیں ساتھ تھیں۔

پھر بکسوں میں کپڑے تھے، بستر بند میں بہت بڑا بستر تھا۔ زندگی کا پورا بوجھ لاد کر وہ حج کے لئے نکلے تھے۔

رحمت کے پاس بہت ہی مختصر سامان تھا۔ کھانے کا تھوڑا سا سامان، چار جوڑے کپڑے اور دری، تکیہ اور دو چادریں، یہ سب سامان ایک چادر

میں باندھ کر گٹھری کی طرح بنا لیا تھا۔ ضرورت پڑنے پر اپنے سر پر رکھ کر وہ سفر کر سکتا تھا۔

لکھنؤ کے چار باغ اسٹیشن پر قلیوں کی تکرار کے درمیان اتنا بہت سامان اسٹیشن پر پہونچا۔ رحمت نے اپنی گٹھری سر پہ رکھ لی اور قلی کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

ایک مرتبہ اس نے کمر کو ٹٹولا کر دیکھا۔ نقدی کمر سے بندھی تھی اور وہ اسے سنبھال کر رکھنا چاہتا تھا۔ یہ روپیہ اس نے اس لئے رکھا تھا کہ رسول اللہ کے مزار مبارک پر حاجت مندوں کو خیرات کرے گا۔

جب اسٹیشن پر سب سامان پہونچ گیا اور سید صاحب نے اپنے سب عدد گن کر اطمینان کر لیا تو وہ بستر بند پر تھک کر بیٹھ گئے۔ قلیوں کی جنگ میں وہ وہ پسینے پسینے ہو گئے تھے۔

"رومال سے چہرہ صاف کر کے بولے ـــــ" اتنی کنجوسی سے کام نہیں چلے گا رحمت۔"

رحمت مسکرا کر بولا ـــــ" کنجوسی کہاں کر رہا ہوں۔"

"یہ کنجوسی ہی ہے" ـــــ سید صاحب نے کہا ـــــ" تم تو ایک آنہ پیسہ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتے۔"

رحمت ہنسنے لگا۔ بولا ـــــ "کیا اتنی سی گٹھری بھی قلی سے اٹھوا کر لاتا۔ میں تو اسے لیکر ایک میل جا سکتا ہوں۔"

سید صاحب نے تلخی کے ساتھ کہا ـــــ اتنا کم سامان واپسی تک کام

کام نہیں آئے گا۔ میرا اپنے ہی لئے پورا نہیں پڑے گا۔"

رحمت نے انکی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا ــــ روپیہ سے ہر چیز مل جاتی ہے میں نے روپیہ رکھ لیا ہے۔ انشاء اللہ آپ پر بوجھ نہیں ڈالوں گا۔"

"بوجھ کی بات نہیں ہے" ــ سید صاحب نے کہا ــ" اپنے انتظام سے چلنا ہی چاہیئے۔ لمبا سفر ہے۔ جو چیز ختم ہو گئی وہ پھر نہیں ملے گی۔

"اللہ مالک ہے" رحمت نے آہستہ سے کہا۔

پھر ٹرین آئی۔ میدان جنگ کا نمونہ اسٹیشن پر نظر آیا۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہیں۔ سب کو اپنی اپنی جگہ کی فکر۔ اخلاق، انسانیت، قومی ہمدردی ــــ اعلیٰ اصول سب پر لعنت بھیج کر مودی، پنڈت، نیتا، لیڈر، پروفیسر، وکیل ادیب، شاعر، حاجی اور یاتری، سب ٹرین کے ڈبے میں گھس گئے۔

وقت مقررہ پر ٹرین بمبئی کے لئے روانہ ہو گئی ؛

چار ــــ !

● کہیں جھانسی سے قریب یعنے لکھنؤ سے جھانسی جانے والی ٹرین پر جھانسی سے پہلے کوئی چھوٹا اسٹیشن پڑتا ہے۔ اسٹیشن سے آٹھ میل اتر کی طرف ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اسے نیرنگ پور کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ گاؤں کبھی بہت بڑا قصبہ تھا۔ اسے مالوے کے غزنوی سلطانوں کے کسی سردار نیرنگ خاں نے بسایا تھا۔ اب یہ قصبہ نہیں ہے۔ لیکن بڑا گاؤں ہے۔ ہندوؤں کی آبادی زیادہ ہے۔ مسلمان بہت کم رہتے ہیں۔ جو ہیں وہ بھی معمولی پیشے کرتے ہیں۔ کچھ دھنئے ہیں اور کچھ لکڑی کا کام کرتے ہیں۔

سنہ ۱۹۶۶ء اور سنہ ۱۹۶۷ء ہندوستان کی تاریخ میں قحط اور گرانی کے سال گزر گئے ہیں۔ ایک سخت جان قوم ہی اس قحط کے سیلاب سے گزر سکتی تھی ــــ ہندوستانی قوم ہی تھی جس نے ان سالوں کو سادھوؤں کی طرح جھیلا، اور نہ حکومت کے خلاف بغاوت کی، اور نہ اسے بدلنے کی کوشش کی۔

لیکن غصے اور نفرت کا رخ ہندو قوم کے ایک حصے نے مسلمانوں کی طرف

پھیر دیا اور ان قحط اور گرانی کے برسوں میں مسلمان بھوک اور مفلسی کا بھی شکار ہوئے اور ہندو قوم کے جن سنگھی ہندؤں کے قہر و غضب کا بھی۔

نیرنگ پور کی غریب آبادی فاقوں سے مر رہی تھی۔ بارہ تیرہ چھٹانک کی جوار خریدنے کے لئے ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ کتنے گھر تھے جہاں ایک وقت بھی مشکل سے چولھا جلتا تھا۔ چولھا جلانے کے لئے غریبوں کے گھر کا سامان باپ دادا کے وقت کا تھوڑا بہت زیور اور کچھ جانور اور کچھ زمین ــــ سب کچھ گاؤں کے مہاجنوں کے گھر پہونچ رہا تھا۔

قریب قریب سبھی ہندو مسلمانوں کے گھر کا اثاثہ مہاجنوں کے گھر پہونچ گیا تھا۔

مشکل کے ان دنوں میں چند ہندو اور مسلمان نوجوان ایسے بھی تھے جو گاؤں میں سستا اناج بیچے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ کھلے عام غریبوں کے ساتھ مہاجنوں کی سختی کا چرچا کرتے اور ان کی گراں کرنے والی ترکیبوں کا بھانڈا پھوڑتے۔

مشکل سے گاؤں میں سستے غلے کی ایک دوکان کھولی گئی۔ یہ دوکان بھی ایک مہاجن کو ملی۔

جب پہلی مرتبہ غلہ تقسیم ہوا تو دوکان پر جھگڑا ہو گیا۔

ترازو کے پلڑے میں نیچے کسی نے ایک سیر بندھے ہوئے دیکھ لیا۔ مہاجن نے یہ سیر باندھ دیا تھا۔ اور غریبوں کو سیر بھر کم اناج تول رہا تھا۔

پہلے تو تو میں میں ہوئی۔ اس وقت ایک دُھینہ شیراتی کا غلہ تولا جا رہا

تھا۔ شبراتی نے آگے بڑھ کر مہاجن کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا ــــ اتر دکان سے نیچے ڈاکو کے بچے۔

اس کے مضبوط ہاتھ کے جھٹکے سے مہاجن اوندھے منہ گر پڑا۔ شبراتی کو غصے میں یہ اندازہ نہ ہوسکا کہ اس نے مہاجن کو کتنی زور سے جھٹکا دیا ہے۔ بھوک والے ہاتھ کا جھٹکا، بہت سخت ہوتا ہے۔

مہاجن چیخا ــ" ہندو بھائیو بچاؤ۔"

رادھے لال ریدا س نے اس کے سر کے بال پکڑ لئے ــــ بولا ــ ہندو بھائی، بے ایمان، اب ہندو بھائی یاد آئے، ابھی مجھے جو تو ایک سیر کم تول چکا ہے۔

مہاجن کو بچانے والے ذرا دیر میں آئے۔ سبھی خریدنے والوں نے یا تو ایک ادھ چپت لگا کر دل کی آگ کو ٹھنڈا کیا یا گالیاں دے کر۔ جب دوسرے دکاندار دوڑ کر آئے تب کہیں اس کی جان بچی۔

اس واقعہ کے بعد گاؤں میں بڑا تناؤ ہو گیا۔ مہاجنوں کو غریبوں کے خلاف سخت غصہ تھا۔

ٹھیک ساتویں دن بازار میں ایک گائے نکالی گئی، اس کے پچھلے پٹھے پر گہرا زخم تھا۔ خون تیزی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

" کیا ہوا متھرا مہراج ؟" ایک دوکاندار نے پکار کر پوچھا۔

" شبراتی دھنیئے نے بلم مارا ہے" متھرا مہراج نے چیخ کر کہا ــــ" اب بھی گئو ماتا کو ملیچھ بلم مارنے کی ہمت رکھتے ہیں۔"

دوکاندار رادھے شیام گپتا نے اٹھتے ہوئے کہا ـــ" ہندو بے غیرت جو ہوگئے ہیں چلو دیکھیں شبراتیا کے بچے نے گنو کو کیسے مارا۔"

دیکھتے ہی دیکھتے بازار بند ہونے لگا اور مصراؤں، شرماؤں، گپتاؤں کا مشتعل ہجوم شبراتی کے گھر پر پہونچ گیا۔

ایک تماشہ جو بار بار پورے ہندوستان میں ہوتا ہے۔ یہاں بھی ہوا۔ مسلمانوں کے گھر پھونک دیئے گئے۔ جو سامنے آگیا مارا گیا۔ جو عورت مل گئی، بے عزت ہوگئی۔ رادھے لال ریداس کو سرکاری غلے کی دوکان کے نوکر نے چاقو مارا۔ رادھے لال اپنے دروازے پر ڈھیر ہوگیا۔ پولیس نے رادھے لال کے قتل کے الزام میں کئی مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ اور باقی جان بچا کر اسٹیشن کی طرف بھاگے۔

جیسا ہر جگہ ہوتا ہے ویسا ہی یہاں بھی ہو رہا تھا۔

آج کل اس علاقے میں ہندو مسلم اتحاد کا سبق بہت زوروں کے ساتھ دہرایا جا رہا تھا۔

آجکل سستے غلے کی دوکان پر غلہ آتا ہے لیکن کسی کو ملتا نہیں ہے گاؤں میں پولیس آگئی ہے اور کسی کی مجال نہیں ہے کہ نقص امن کی کوشش کر سکے مہاجن کے خلاف کوئی تحریک چلانے سے بھی نقص امن کا اندیشہ ہے اور دفعہ ۱۴۴ کی رو سے پانچ انصاف طلب کرنے والے ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

اب گاؤں میں ایک مسلمان بھی باقی نہیں ہے۔ یا تو فرار، ہوگئے ہیں، یا جیل پہونچ گئے ہیں، یا شہادت حاصل کر چکے ہیں۔

رادھے لال ریداس مرحوم کا بوڑھا باپ کانپور میں جوتے بناتا تھا جب اسے اسے رادھے لال کے مارے جانے کی خبر ملی تو وہ را پی رکھ کر رونے لگا ــــ" ہائے میرے لال، میرے رادھے لال تو کیسے مرگیا۔"

ساتھ کے کاریگروں نے پوچھا ــــ" کیا ہوا کالکا بابا ــــ رادھے لال کون تھا۔"

" میرا بیٹا۔" وہ چیخ کر رو دیا ــــ" ہندو مسلم فسادیں مارا گیا۔"

"مسلمانوں نے مار ڈالا۔" ایک کاریگر تیزی کے ساتھ بولا ــــ ابھی تک ......"

" نہیں جیالال ــ" کالکا نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا ــ" مہاجن کے نوکر نے چاقو مار دیا۔ اس نے غلے کے جھگڑے میں مہاجن کو مارا تھا۔"

جیالال ٹھنڈی سانس لیکر خاموش ہوگیا۔

دوکان کے مالک سے اپنا بقایا حساب پچاس روپیہ لیکر کالکا اس ٹرین پر جا بیٹھا جو رحمت اور سید صاحب کو لے کر بمبئی جا رہی تھی اور جیسے جھانسی میں رکنا تھا۔

کالکا راستے بھر آنسو بہاتا اور پونچھتا رہا۔

سید صاحب سو گئے تھے۔ رحمت کی پر اشتیاق آنکھوں میں نیند نہیں تھی جب کبھی ذرا آنکھ لگی، کعبہ کا نظارہ سامنے آگیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے واقعات سامنے آگئے۔ آنکھ کھل گئی، وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کسی اسٹیشن پر سید صاحب کی آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ رحمت بیٹھا ہوا،

اندھیری رات میں باہر کی طرف دیکھ رہا ہے۔

"انھوں نے پوچھا: نیند نہیں آرہی ہے کیا۔"

"نہیں۔" رحمت نے جماہی لیکر جواب دیا۔

"ابھی کل کا دن بھی باقی ہے:" سید صاحب نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا ۔" تھوڑی دیر سو لو۔ دن میں موقع نہیں ملے گا۔"

"ہاں سو جاؤں گا۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ آنکھوں کے سامنے رسی اور چھری آگئی۔ لیکن چہرے دھندلے تھے۔ صاف دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ پھر اس کی چیخ نکل گئی۔ کیونکہ اس نے حضرت اسمٰعیل کو زمین پر گرتے دیکھا تھا۔

چیخ کے ساتھ ہی آنکھ کھل گئی۔

یکایک گاڑی ایک طرف جھک گئی۔ گھر گھر کی تیز آواز کے ساتھ بتیاں بجھ گئیں اوپر کی سیٹوں سے سامان گرنے لگا، اور پھر زوردار دھماکا ہوا۔

سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا۔ معلوم نہیں کیا کیا رحمت کے اوپر گرا۔ چیخیں شور، کراہیں اور عجب طرح کی آوازیں ہر طرف گونجنے لگیں۔

رحمت نے سامان کے نیچے سے اپنے کو نکالا۔ کئی جسم اس سے ٹکرائے۔ کئی دھکے لگے، کئی ہاتھوں نے اسے روکا مگر وہ چھت کے قریب سے آنے والی ہلکی روشنی کی طرف رینگتا رہا۔

ڈبہ الٹ گیا۔ شاید کروٹ سے ہو گیا تھا۔ بند کھڑکی کے اندر سے باہر

کی روشنی اندر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ رحمت کھڑکی کے قریب پہونچ گیا۔ اس نے زور لگا کر کھڑکی کو کھینچا۔ کھڑکی کھل گئی۔ اس نے سر نکال کر باہر دیکھا۔ ہر طرف گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور دلخراش آوازیں آرہی تھیں۔

رحمت نے سر اندر کر لیا اور زور سے پکارا — "سید صاحب — سید صاحب —"

پلیٹ فارم کی طرف سے جواب ملا — "رحمت تم کہاں ہو؟"

رحمت نے پوچھا — "آپ کیسے ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے۔" سید صاحب چیخے — "کیا تم ڈبے میں ہو۔ باہر نکل جاؤ۔ آگ....."

رحمت نے جواب دیا — "میں ٹھیک ہوں، کھڑکی سے کود رہا ہوں"

ایک شخص نے نیچے سے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔ رحمت نے جھٹکا دیکر اسے پیچھے ڈھکیل دیا، اور کھڑکی سے لٹک کر پلیٹ فارم کی مخالف سمت میں کود گیا۔

سید صاحب کی آواز اس نے پھر سنی — "رحمت، ڈبے سے باہر نکلو۔"

اس نے جواب میں کہا — "میں اس طرف نکل آیا ہوں۔ اطمینان رکھیے۔"

"اسٹیشن پر آنا" سید صاحب نے کہا — "میں کلیں وہیں چل رہا ہوں۔"

"اچھا۔" رحمت نے دوسری طرف سے جواب دیا!

دردناک آوازیں سنتا ہوا وہ اسٹیشن کی طرف بڑھا۔

کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہر طرف دھواں پھیل رہا تھا۔ صرف اسٹیشن کی روشنی نظر آرہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اس طرف بڑھ رہا تھا۔

یکایک وہ ایک جسم سے ٹکرایا۔

"ارے مار ڈالا۔" زمین پر پڑے ہوئے ایک شخص نے نعرہ لگایا۔

"تم ۔" رحمت نے رک کر پوچھا ۔ "کیا ہوا ہے تمھیں ؟"

"شاید ٹانگ ٹوٹ گئی ہے ۔" وہ بولا ۔ "بھگوان کے لئے یہاں سے اٹھا لے چلو۔ نہیں تو وہ لوگ بھٹی میں ڈال دیں گے۔"

"یہ نہیں ہوسکے گا۔" رحمت نے کہا اور آگے بڑھا۔

"ہائے میرا بچہ مرگیا۔ میں بھی مرجاؤں گا۔ رادھے لال کی ماں، میں بھی مرگیا، میں بھی مرگیا، رادھے لال کی ماں۔"

اس کی آواز میں بڑا ہی درد تھا، رحمت کے قدم رک گئے۔

پھر وہ پلٹا اور اس کے قریب آکر بولا ۔ "تمھیں کہاں پہنچا دوں۔"

"ادھر کہیں دور کھیت میں ڈال دو۔" وہ بولا ۔ ریل والے ٹوٹے پھوٹے لوگوں کو ریل کی بھٹی میں ڈال دیتے ہیں۔"

"نہیں" رحمت نے کہا ۔ "یہ جھوٹ ہے۔"

"تم کیا جانو" وہ چیخا ۔ میں نے خود دیکھا ہے۔ بھگوان کے لئے مجھے پکڑ کر کھیت میں ڈال دو۔ سویرے اپنے گاؤں چلا جاؤں گا۔"

رحمت نے اسے سہارا دیکر اٹھایا ۔ "کیا بالکل چل نہیں سکتے۔"

"شاید ایک ٹانگ نہیں رہی" وہ بولا ۔۔۔ "چھوکر دیکھو۔ مجھے تو معلوم نہیں ہوتی"
"آؤ میری پیٹھ پر آجاؤ۔" رحمت نے اسے پیٹھ پر لاد لیا۔
"بھگوان تمھارا بھلا کریں" اس نے آہستہ سے کہا ۔۔۔ "سب کام پورے ہو جائیں ...."
رحمت اسے لیکر تاروں سے اس پار نکل گیا۔ اس نے کہا۔ "اب ریل کی حد سے باہر آگئے ہو۔"
"کھیت میں ڈالنا" وہ بولا۔
اتنے میں ایک بیل گاڑی قریب سے نکلی۔ بیل گاڑی والا اسٹیشن سے بھاگا تھا۔ وہ ٹرین لڑنے کی خبر سن کر لوٹ رہا تھا۔
کا لکا چیخا۔ "گاڑی والے بھیا، مجھے بھی ڈال لے۔ جتنے روپئے مانگے گا دوں گا۔"
رحمت بالکل گاڑی کے راستے میں کھڑا تھا۔ گاڑی والے نے بیلوں کی راسیں کھینچ کر گاڑی روک لی۔
"کہاں جاؤ گے" اس نے پوچھا۔
"نیرنگ پور۔" کا لکا بولا ۔۔۔ "میرا نام کا لکا پرشاد ہے کانپور سے اپنے لڑکے کی موت کی خبر سن کر آیا ہوں۔ پہونچا دے میرے لال بھگوان تجھ کو خوش کردیں گے۔"
گاڑی والا بولا ۔۔۔ "میں دریاپور میں رہتا ہوں، نیرنگ پور وہاں سے چھ کوس ہے۔ بارہ روپیہ لوں گا۔"

"دوں گا۔" کالکا بولا ـــــ دریا پور کے جیتو پہلوان کو جانتا ہوں یہ سارا جوا دیکھا ہوا ہے ۔میرے لڑکے کو چھرا مار دیا گیا۔ دسواں پاس تھا۔ ہائے میرے رام تڑپ تڑپ کر مر گیا۔"

"روپیہ نکالو۔" گاڑی والا بولا ـــــ "ابھی تو اپنے گھر جاؤں گا۔ کل لے چلوں گا۔"

"اچھا۔" کالکا بولا۔

اور اب اسے یاد آیا کہ گٹھری میں روپئے تھے۔ اور گٹھری ٹرین ہی میں رہ گئی ہے۔

"ہائے بھگوان" وہ رونے لگا ـــــ "روپیہ کی گٹھری ریل ہی میں رہ گئی اب کیا کروں۔"

رحمت نے اپنی کمر ٹٹولی، اس کے روپے محفوظ تھے۔ بولا ـــــ "چلو روپیہ میں دے دوں گا۔"

"تم دے دو گے۔" کالکا نے حیرت سے کہا ـــــ "تم بھگوان کے روپ میں مدد کرنے آئے ہو کیا۔"

رحمت نے اسے لے جا کر پیچھے سے گاڑی پر بٹھایا ـــــ آہ ذرا دھیرے سے۔ شاید ٹانگ نہیں ہے۔ کٹ گئی۔"

گاڑی بان نے پلٹ کر دیکھا ـــــ کیا تم زخمی ہو؟ پھر تو میں لے جا نہیں سکتا۔"

رحمت بولا ـــــ "ان کے گھر پہنچا دینا۔ زخمی ہونے سے تمہیں کیا واسطہ۔"

"خوب سبق پڑھا رہے ہو" ـــ گاڑی بان بولا ـــ "پولیس میں نوکری کرچکا ہوں ۔ راستے میں مرگئے تو کون جواب دیتا پھرے گا۔"

کالکا بولا ـــ "نہیں بھیا ۔ مروں گا نہیں ۔ گھر والی میری راہ دیکھ رہی ہوگی ۔"

گاڑی بان بگڑا ـــ "ایسی کچی گولی نہیں کھیلی ہے ۔ سب قاعدے قانون معلوم ہیں ۔ دونوں کو تو خیر پہنچا بھی سکتا ہوں ۔" زخمی کی ذمہ داری نہیں لوں گا ۔" وہ اکڑ کر بولا ـــ "اتارو جی مجھے دیر ہو رہی ہے ۔"

کالکا نے رحمت کا ہاتھ پکڑ لیا ـــ بھگوان مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ ۔ اٹھ ہی میل ہے ۔ گھر تک پہنچا کر چلے آنا ۔ زیادہ سے زیادہ کل بارہ بجے تک آجاؤ گے وہ سسک سسک کر رونے لگا ۔

رحمت عجیب مصیبت میں پڑ گیا ۔ وہ کیا کرے ۔ سید صاحب اسٹیشن پر راہ دیکھ رہے ہوں گے ۔ سامان ڈبے میں پڑا ہوا ہے ۔ بمبئی کے لئے دوسری ٹرین پکڑنا ہے ۔ وہ اس آدمی کے ساتھ کیسے جا سکتا ہے ۔

" مجھے بمبئی جانا ہے ۔" رحمت نے کہا

" بھگوان پہنچا دیں گے ۔" کالکا لجاجت کے ساتھ بولا ـــ " جان بچا کر لائے ہو تو آدھ بیچ میں نہ چھوڑو ۔ بھگوان روپی مہاتما ۔"

رحمت نے ٹھنڈی سانس لی ۔

کل تک ملبہ صاف نہیں ہو سکے گا ۔ ٹرین شاید کل بھی بمبئی کے لئے روانہ نہ ہو سکے ۔ ۸ ہی میل تو ہے ۔ پہنچا کر چلا آؤں گا ۔ اور اگر ٹرین چلی بھی گئی تو سید

صاحب تو سامان لے ہی لے گئے۔ بمبئی میں مل جائیں گے۔
کوئی زیادہ فرق نہیں پڑتا۔
اس نے فیصلہ کیا کہ اس آدمی کو اس کے گھر تک پہونچا دیں گے۔
روپیہ نکال کر گاڑی بان کو دیتے ہوئے کہا —"چلو۔ میں چل رہا ہوں۔"

وہ بھی گاڑی میں بیٹھ گیا — اور گاڑی اپنی روایتی رفتار سے سنسان راستے پر پورب کی طرف چل کھڑی ہوئی۔
تینوں خاموش تھے۔ دھچکہ لگنے پر کالکا کراہنے لگتا لیکن وہ بھی برداشت کر رہا تھا۔ اس ڈر میں کہ کہیں گاڑی والا اسے اتار نہ دے۔
جب رات کی سیاہی صبح کی سفیدی سے نمایاں طور پر الگ ہو رہی تھی تو گاڑی ایک گاؤں میں داخل ہوئی۔
رحمت نے پوچھا "کیا یہی گاؤں ہے؟"
گاڑی والا بولا —" یہ میرا گاؤں ہے دریا پور۔ نیرنگ پور یہاں سے بارہ میل ہے۔"
کالکا جلدی سے بولا —" ذرا جلدی ہی چلنا بھیا۔ دس بجے تک پہونچا دینا۔"

" دیکھو! دوسری گوئی جوتوں گا۔" گاڑی والا بولا۔
پتلی گلیوں سے گذرتا ہوا وہ ایک مکان کے سامنے رکا۔ نیچے اتر کر جوا اتارا اور بولا —" بیل باندھ دوں تو تمھارے لئے چارپائی لاؤں۔"

رحمت نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ سخت اور اکھڑ انسان یکایک بدلتا ہوا نظر آیا۔

اس نے دروازہ کھٹکھٹایا

دروازہ کھلا۔ رحمت نے ادھر دیکھا۔ ایک ماہتاب دروازے میں نظر آیا۔

"بھلا یہ کوئی وقت تھا۔" عورت بولی۔

"بڑی مصیبت آگئی۔ ریل دبا گئی" گاڑی والا بولا

"ہے بھگوان۔" عورت بولی۔ "کوئی مرا تو نہیں۔"

"کیا معلوم" کہہ کر وہ گوئی لے کر اندر چلا گیا۔ عورت نے دروازہ بند کر دیا۔

"یہ تو معلوم نہیں کہ کوئی مرا یا نہیں۔" گاڑی بان نے گھر جا کر کہا "لیکن ایک ادھ مرا میری گاڑی پر آیا ہے۔"

"کون ہے؟" عورت نے گھبرا کر پوچھا۔

"نیرنگ پور کا چمار ہے۔" گاڑی والا بولا۔ "شاید ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔"

پھر اس نے چارپائی اٹھائی اور لیکر باہر چلا گیا۔

"اس پر بوڑھے بابا کو لٹا دو۔" وہ بولا۔ "کچھ کھانے پینے کا انتظام کر دوں تو چلوں۔"

"ایک لوٹا پانی چاہیئے۔" رحمت نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا!" گاڑی بان گھر چلا گیا اور پھر بالٹی میں پانی اور لٹیا لیکر واپس آیا۔
رحمت نے کہا ـــ" میں مسلمان ہوں۔ وضو کر کے نماز پڑھوں گا۔"
"مسلمان"۔ اس نے حیرت سے کہا۔
"ہاں۔" رحمت بولا ـــ" شاید اپنے برتن مجھے چھونے کو نہیں دوگے
لاؤ اپنے ہاتھ سے پانی ڈال دو۔"
گاڑی بان کھڑا رہ گیا۔ کچھ جواب نہ دے سکا۔
کالکا نے رحمت کے چہرے کی طرف دیکھا۔
رحمت نے بیٹھتے ہوئے کہا ـــ" لاؤ پانی ڈالو۔ سوچ کیا رہے ہو، اپنے
برتن کیوں خراب کروگے؟"
گاڑی بان نے بالٹی اس کے قریب رکھی۔ بولا ـــ" چھولو، دھو ڈالوں گا۔"
نہیں چھولو ہے" رحمت مسکرا کر کہنے لگا ـــ" پانی ڈال دوگے تو بھی کام
چل جائے گا۔"
"نہیں چھولو۔" کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔
"عجیب بات ہے!" اس نے گھر جا کر منھ دھوتے ہوئے کہا ـــ" بیرنگ پور
کے چمار کے ساتھ ایک مسلمان ہے۔ چمار کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے۔ مسلمان اسے
اٹھا کر گاڑی سے لایا تھا۔ چمار کہتا تھا کہ تم بھگوان کے روپ بنکر مدد کو آئے ہو
میں سمجھا تھا کوئی پنڈت ہوگا۔ مگر وہ مسلمان نکلا۔"
پھر عورت نے پوچھا
"لٹیا اور بالٹی اسے چھونے کو دیدی۔" گاڑی بان نے کہا ـــ" اور کرتا

بھی کیا؟"

عورت نے اپنے مرد کی طرف دیکھا۔

"وہ نیر نگ پور کیسے جائے گا۔"۔ مرد بولا ۔۔۔ "وہاں کے مسلمان تو بھاگ کر اسٹیشن آگئے ہیں۔"

"عورت بولی ۔۔۔ "مگر تم فکر کیوں کرتے ہو۔ جائے یا نہ جائے۔"

پھر اس نے پوچھا ۔۔۔ "تم لائے کیوں ہو؟"

مرد بولا ۔۔۔ "کہا تو ایک آدمی زخمی ہے۔ اس کا گھر نیر نگ پور میں ہے۔ دوسرا اسے پہنچانے جا رہا ہے۔ مجھے کرایہ دیا ہے۔" اس نے کلی کرتے ہوئے کہا "مگر تم سچ کہتی ہو کامنی۔ وہ مسلمان ہو یا انگریز، مجھے کیا۔ بلا وجہ کے بارہ روپے کم تو نہیں ہیں۔"

کامنی نے پوچھا ۔ "کیا کرایہ میں بارہ روپیہ دیا ہے۔"

"ہاں" مرد نے کہا۔

اس کا نام ارجن سنگھ چوہان تھا۔ راجپوت تھا۔ پرانے پوہانوں والی آن بان تو نہیں رہ گئی تھی۔ مگر پھر بھی رسی کی اینٹھن تو باقی ہی تھی۔ جب خون میں اصلی دھارا چلتا تو پرتھوی راج کی آن بان آ ہی جاتی تھی۔

عورت نے کہا ۔۔۔ "لاؤ روپیہ مجھے دو۔ کل ایک بیاہ ہے۔ نیوتہ دینا ہوگا۔"

ارجن سنگھ نے کامنی کو روپیہ دیتے ہوئے کہا ۔۔۔ "خوب بات ہے۔ نیر نگ پور کے ہندو مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں۔ گھر سے نکال رہے ہیں۔ اور

نیرنگ پور کے ایک ہندو کو ایک مسلمان نے ریل گاڑی سے نکالا ہے۔ مرنے سے بچایا
اس کا کرایہ بھی دیا ہے اور اسے لیکر نیرنگ پور بھی جا رہا ہے۔"
وہ اٹھتے ہوئے بولا۔" یہ سب ہے کیا ؟"
کامنی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔
ارجن سنگھ بولا۔" ذرا دس بارہ پوریاں تل ڈالو کامنی۔ مسلمان ہے تو کیا
ہوا۔ دروازے پر آیا ہے۔ کھانا تو دینا ہی چاہیئے۔"
"کیوں نہیں۔" کامنی نے کہا۔
اور وہ رسوئی گھر کی طرف چلی گئی۔
ارجن سنگھ باہر گیا تو اس نے رحمت کو چبوترے پہ نماز پڑھتے دیکھا۔
خاموشی کے ساتھ اپنے دروازے پر کھڑے وہ رحمت کی نماز
کو دیکھتا رہا۔
" سب اسی کو یاد کرتے ہیں۔" اس نے دل میں کہا۔" کوئی کسی طرح۔ کوئی
کسی طرح۔ مگر لڑائی کیوں ہوتی ہے ؟"
رحمت نے سلام پھیرا۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔
اور جب وہ دعا ختم کر چکا تو ارجن ... نے دیکھا کہ رحمت اپنی آنسوؤں سے
بھیگی ہوئی آنکھیں دامن سے پونچھ رہا ہے۔
رحمت چبوترے سے اترا۔ ارجن نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ وہ
نم اور گلابی تھیں۔
" ذرا جلدی ہی چلنا بھائی " رحمت نے آہستہ سے کہا

ارجن نے دیکھا کہ اس کی آواز کانپ رہی ہے۔

"بس تھوڑا سا کھالو میاں جی" ارجن سنگھ بولا ــــ "دس بجے تک پہونچا دوں گا۔"

کالکا غافل ہو گیا تھا۔ رات بھر کی تکان اور تکلیف کے بعد ذرا آرام ملا تو وہ سو گیا۔

رحمت کے پاس چارپائی پر بیٹھتے ہوئے ارجن سنگھ نے پوچھا ــ "کیا تم بھی نیرنگ پور میں رہتے ہو میاں جی؟"

"نہیں" رحمت نے جواب دیا ــ "مجھے معلوم بھی نہیں کہ نیرنگ پور کہاں ہے؟"

ارجن سنگھ نے پوچھا ــ "پھر کالکا بابا کو کیسے جانتے ہو؟"

"میں نہیں جانتا" رحمت نے آہستہ سے کہا۔

ارجن سنگھ نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا ــــ "نہیں جانتے؟ پھر کیا بات ہے؟"

"بات کچھ بھی نہیں ہے" ــ رحمت بولا ــ "میں بمبئی جا رہا تھا۔ وہاں سے حج کو جاؤں گا۔ ٹرین الٹ گئی تو میں بھی اس میں پھنس گیا۔ بڑی مشکل سے باہر نکلا تو اندھیرے میں اس آدمی سے ٹکرا گیا۔ اس نے خوشامد کی کہ اسے اٹھا کر کھیت میں ڈال دوں۔"

"کھیت میں ۔" ارجن سنگھ نے پوچھا ــــ "کھیت میں ڈالنے سے کیا ہوتا ۔"

رحمت نے مسکرا کر کہا ۔ "کسی نے بتا دیا تھا کہ ریل کے زخمیوں کو ریل والے بھٹی میں جلا دیتے ہیں ۔ اسی لئے ریل کے پاس سے ہٹ جانا چاہتا تھا۔"

"پھر۔" ارجن سنگھ نے پوچھا۔

"پھر تم مل گئے۔" رحمت نے کہا۔

ارجن سنگھ نے اس کی طرف دیکھا۔ پوچھا ۔" اور کرایہ کا روپیہ؟"

رحمت نے مسکرا کر جواب دیا ۔" اس کے پاس کہاں تھا۔ اللہ کی مہربانی تھی کہ میرے پاس بچ گیا۔ نہیں تو ریل ہی میں رہ جاتا۔"

ارجن سنگھ خاموش ہو گیا۔

رحمت نے کہا ۔" میں جلدی واپس آنا چاہتا ہوں ۔ میرے ساتھی اسٹیشن پر راہ دیکھ رہے ہوں گے۔"

"اور لوگ بھی ہیں ؟" ارجن سنگھ نے پوچھا۔

"ہاں" رحمت نے کہا ۔" میرے وطن کے ایک سید صاحب میرے ساتھ ہیں ۔ اللہ نے انہیں بھی بچا لیا ہے ۔ وہ پلیٹ فارم کی طرف اتر گئے تھے"

ارجن سنگھ نے کہا ۔" بیچارے تم کو نہ پا کر پریشان ہوں گے۔"

"ضرور" رحمت بولا ۔" مگر میں نے پکار کر کہہ دیا تھا کہ اچھا ہوں اور ڈبے سے باہر نکل گیا ہوں ۔ پھر بھی مجھے نہ پا کر حیران ضرور ہوں گے۔"

ارجن سنگھ ایک لمحہ خاموش رہ کر بولا ۔" مگر میاں جی نیرنگ پور میں تو پولیس لگی ہوئی ہے۔"

"کیوں؟" رحمت نے پوچھا۔

ارجن سنگھ نے کہا ـــــ ہندو مسلم فساد ہو گیا تھا۔ وہاں کے مسلمان اسٹیشن بھاگ آئے ہیں۔ گاؤں میں ایک بھی مسلمان نہیں رہ گیا ہے۔"

رحمت نے غمگین لہجے میں کہا ـــــ دکھ کی بات ہے۔ آخر بھائی بھائی تو ہیں ہی۔ کوئی کسی کو مارے تو اچھا نہیں کرتا۔"

"میں سوچتا ہوں۔" ارجن سنگھ بولا ـــــ "تم کو یہاں سے اسٹیشن بھیج دوں۔ کالکا بابا کو لیکر اکیلا ہی چلا جاؤں گا۔"

"کیوں؟" گاڑی پر سے کالکا نے سر اٹھا کر پوچھا ـــــ میاں جی کو اسٹیشن کیوں بھیج دو گے جی۔"

دونوں نے کالکا کی طرف دیکھا۔

ارجن سنگھ بولا ـــــ "پولیس انھیں گاؤں جاتے نہیں دے گی۔

"اس کی مجال پڑی ہے۔" کالکا جیسے چیخ اٹھا ـــــ "میرے لڑکے کو مار ڈالا مجھے بھی مار ڈالیں گے۔ تب میاں جی کو روک سکیں گے۔"

پھر اس نے آواز نرم کر کے کہا ـــــ" ایک بار ان کے پوتر پاؤں میرے گھر کی دھرتی پر پڑ جی گے تو وہ جگہ میرے لئے سورگ ہو جائے گی۔ کوئی بھگوان کو دروازے پر سے لوٹا نہیں دے گا۔ جوان! تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"مگر بابا....." ارجن سنگھ مسکرا کر بولا ـــــ "سنو تو...."

"اور کچھ نہیں سنوں گا۔" کالکا نے کہا ـــــ تم ہم دونوں کو لے چلو کرایہ دونوں کا لے چکے ہو۔"

دروازے سے کامنی نے پھر سر نکالا۔

" بھوجن لے جاؤ۔" اس نے سریلی آواز میں کہا۔

رحمت کو اس کی آواز بہت اچھی لگی۔ اس نے غور سے کامنی کو دیکھا۔

ارجن سنگھ اندر گیا ایک بورہ لاکر چبوترے پر بچھایا۔ تھال میں پوریاں رکھیں اور شیشے کے گلاس میں پانی انڈیلا۔ پھر بولا ـــ" آؤ میاں جی تھوڑا سا کھالو۔"

رحمت نے پوچھا ـــ" کالکا بابا کو نہیں کھلاؤ گے۔"

" انھیں بھی کھلاؤں گا۔" ارجن سنگھ بولا۔

رحمت کھانے پر بیٹھ گیا۔ اور ارجن سنگھ نے کالکا کو آب خورے میں پانی دیا۔ پھر ایک آب خورہ دودھ پلاکر کیلے کے پتے پر پوری اور آلو رکھ دیئے۔

کامنی دوسرا تھال لئے دروازے پر کھڑی رہی کہ کم پڑنے پر اور پوریاں آلو دے دے۔

" عجیب!" رحمت نے دل میں کہا ـــ" آدمی بھی کیسا تولہ ماشہ ہوتا ہے رات کو یہ شخص کیسا خطرناک تھا اور اس وقت کیسا خلیق ہوگیا ہے۔"

" کچھ اور دوں میاں جی!" ارجن سنگھ نے پوچھا۔

" نہیں۔" وہ پانی کا گلاس خالی کرتے ہوئے بولا۔

جب دونوں کھا پی چکے تو رحمت نے کہا ـــ" اب چلنے کی تیاری کرو بھائی۔"

" بس ابھی چلا۔" ارجن سنگھ اندر جاتے ہوئے بولا۔

اس نے برتن کامنی کے سامنے رکھتے ہوئے کہا ـــ" اور سب تو ہوگیا مگر

یہ معاملہ بہت سخت ہے۔"

"کیا ؟" کامنی نے پوچھا۔

"وہاں کے لوگ :" اس نے کہا ـــــ "مسلمان کو دیکھ کر لڑنے جھگڑنے لگیں۔"

کامنی بولی ـــ "یہ بات پولیس کو بتا دینا۔"

ارجن سنگھ بولا ـــ "پہلے تو پولیس ہی روکے گی۔"

"ٹھیک ہے" کامنی نے کہا ـــ "پولیس روکے تو اسے اتار دینا۔"

"ہاں ٹھیک ہے" ـــ ارجن سنگھ بولا ـــ "مگر آدمی ہمت کا ہے۔"

"کون" کامنی نے پوچھا۔

"وہی میاں !" اس نے کہا ـــ "اپنے حج کو جا رہا تھا۔ کانکا کی مدد میں یہاں چلا آیا۔ سامان بھی چھوڑ دیا اور اپنے ساتھی کو بھی۔"

کامنی نے پوچھا۔ "عرب دیس میں حج ہوتا ہے۔"

"ہاں !" ارجن سنگھ نے اندر سے بھالا نکالا ـــ "وہیں جا رہا تھا۔ بھلا دوسروں کے لئے کوئی اتنا کرتا ہے۔"

کامنی بولی۔ "کوئی نہیں کرتا۔ وہ تو غیر دھرم کا آدمی ہے۔ اپنے دھرم والے بھی نہیں کرتے۔"

ارجن سنگھ نے صافہ باندھتے ہوئے کہا ـــ "بھگوان جس کے دل میں چاہتے ہیں دیا اور دھرم ڈال دیتے ہیں۔"

کامنی نے بھالے کی طرف دیکھا۔ مسکرا کر بولی ـــ "وہ تو دیا اور دھرم ڈال دیتے ہیں۔ مگر یہ بھالا کہاں جا رہا ہے ؟"

ارجن سنگھ ایک لمحہ ٹھہر کر بولا ـــ اگر کسی نے میاں جی پر ہاتھ اٹھایا تو اس بھالے سے بچا تو سکوں گا۔"

"کیا لڑائی بھی لڑنے کا ارادہ ہے۔" کامنی نے کہا۔

"شاید دوسرے کا ارادہ ہو۔" وہ بولا ـــ "میں کیوں لڑوں گا۔"

پھر کہنے لگا ـــ "بس بارہ ایک بجے تک لوٹ آؤں گا کامنی۔ دوپہر کا کھانا ہم دونوں یہیں کھائیں گے۔"

"دونوں کون ؟" اس نے پوچھا۔

"میاں جی بھی۔" ارجن سنگھ نے کہا ـــ "وہ بھی میرے ساتھ ہی لوٹ آئیں گے۔"

"اچھا" کامنی نے کہا۔

ارجن سنگھ باہر چلا گیا۔ لیکن کامنی نے دروازے کے پاس جاکر کہا ـــ "پال کو بھی ساتھ لیتے جاؤ۔"

"کیوں؟" ارجن سنگھ نے پلٹ کر پوچھا۔

کامنی نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہا ـــ "مجھے اطمینان رہے گا۔"

ارجن سنگھ نے مسکرا کر کہا ـــ "کیا پاگل پن کی باتیں کرتی ہے کامنی"

"نہیں رے لوت ـــ" کامنی نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا ـــ "معلوم نہیں کیسی بات پڑ جائے۔"

پال سنگھ، ارجن سنگھ کا بھتیجا تھا۔ گاؤں کا پہلوان تھا۔ کامنی ارجن سنگھ کے بھالے کو دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ جب بھی ارجن سنگھ بھالا لیکر کہیں گیا تھا۔

لڑائی ضرور ہوئی تھی۔ لڑائی کا امکان نہ ہو تو وہ بھالا نکالتا ہی نہیں تھا۔

ارجن سنگھ نے بیوی کی طرف دیکھا۔ پھر بولا ــــ "اچھا بلا لوں گا۔"

"میرے سر کی قسم کھاؤ" کامنی بولی۔ اور اس نے ساڑی کے کنارے سے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔

ارجن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تیرے سر کی قسم"

رحمت گاڑی کے قریب جا کھڑا ہو گیا۔

ارجن سنگھ نے بھالا گاڑی میں رکھا۔ دوسری گوئی کھول کر لایا۔ اُسے جوتا۔ گاڑی پر رحمت کو بٹھایا اور ایک مرتبہ کامنی کی طرف دیکھ کر گاڑی ہانک دی۔

گاؤں کے دوسرے کنارے پر پال سنگھ رہتا تھا۔ وہاں گاڑی روک کر اس نے پکارا ــــ "پال گھر میں ہو۔"

ایک تندرست نوجوان باہر نکلا بولا ــــ "چاچا سلام، کیا بات ہے۔"

"میرے ساتھ چلو"۔ ارجن سنگھ نے کہا۔

"اچھا" کہہ کر پال سنگھ اندر چلا گیا۔ اور ایک لمحہ بعد لاٹھی اور ٹوپی لیکر باہر آگیا۔

ارجن سنگھ نے اسے گاڑی پر بٹھا لیا اور گاڑی ہانک دی۔

پال سنگھ نے زخمی کالکا کو دیکھا۔ پھر رحمت کو غور سے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے پوچھا ــــ "کہاں چل رہے ہو چاچا؟"

ارجن سنگھ نے جواب دیا۔ "نیرنگ پور۔"

پھر مسکرا کر بولا ـــــ تمھاری چاچی نے قسم دلائی کہ پال سنگھ کو ساتھ لیکر جاتا
پال سنگھ نے کہا ـــــ" سنیر نگ پور میں کچھ جھگڑا ہے نا۔ اسی لئے کہا ہوگا"
"ہاں" ارجن سنگھ نے جواب میں کہا ـــــ" انھیں ڈر تھا کہ کہیں مجھ
سے کسی سے جھگڑا نہ ہو جائے۔"
پال سنگھ بلند آواز میں بولا ـــــ" اب جھگڑا کس سے ہوگا، گنو کو بھالا
مارنے اور ایک ہندو کو چھرے سے قتل کر ڈالنے کے بعد مسلمان وہاں سے
بھاگ گئے۔ گاؤں والوں نے پوری سزا دے دی۔ گھر تک پھونک دئیے۔
چاچا جب تک یہ نہ ہوگا ان ہتیاروں کے کان نہیں ہوں گے۔"
رحمت نے اس کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا۔
ارجن سنگھ نے پلٹ کر رحمت کی طرف دیکھا۔
مگر کالکا تڑپ کر بولا ـــ" یہ سب جھوٹ ہے۔"
پال سنگھ نے کہا ـــ" جھوٹ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہمارے گاؤں کا
متھرا پنڈت دیکھ کر آیا ہے۔"
"کیا دیکھ کر آیا ہے؟" کالکا نے سر اٹھانے کی کوشش کی۔
پال سنگھ بھاری لہجے میں بولا ـــــ" زخمی گنو کو بھی دیکھا ہے اور مسلمانوں
کے جلے ہوئے گھر بھی دیکھے ہیں۔"
"دیکھا تو سب کچھ ہوگا؟" کالکا بولا ـــ" مگر میرے رادھے لال کو تو
مہاجن مول چند کے نوکر نے چاقو مارا تھا۔ اسی میں مر گیا۔
پال سنگھ نے زخمی کالکا کی طرف دیکھا۔ پوچھا ـــ" رادھے رید اس تمھارا

ڈرامہ تھا

کانکا کی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔ بولا ـــ" ہاں اکیلا ڈر ہی تھا ۔ دسواں پاس تھا ۔ مول چند نے مروا ڈالا ۔ بھگوان میری ٹانگ اچھی کر دو ۔ اس کا بنس باقی نہیں چھوڑوں گا ۔"

پال سنگھ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا ۔

" اور گٹو کے بھالا کس نے مارا تھا ۔" اس نے پوچھا ۔

کانکا بولا ـــ" وہ بھی مول چند کے نوکر نے مارا ہوگا ۔ میں کانپور میں روز ایسے شعبدے دیکھا کرتا ہوں ۔"

" ایسا کیسے ہو سکتا ہے ؟" پال سنگھ کا یقین ڈانوا ڈول ہو رہا تھا ۔

" ہوتا ہی ہے ۔" کانکا بولا ـــ" رادھے کی ماں نے کیا جھڈ ا نکھیں تھا کیا وہ اپنے لال کے قاتل کو نہیں پہچانتی ہے ؟"

" ایسا ہی ہوگا ۔" پال کا زور کم ہوگیا ۔

ارجن سنگھ بولا ـــ" سب کچھ ہو سکتا ہے پال ۔ تمہاری بغل میں جو میاں جی بیٹھے ہیں ۔ یہ سچ کو ہیا رہے تھے ۔"

پال سنگھ نے حیرت سے رحمت کی طرف دیکھا ۔

" میاں جی ہیں ۔" وہ کچھ شرمندہ ہوا ۔ پھر بولا ـــ" میں نے جو کچھ سنا تھا وہ کہہ دیا میاں جی ۔ بُرا نہ ماننا ۔"

رحمت سنجیدگی کے ساتھ بولا ـــ" کیا یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی مسلمان نے گٹائے کے بھالا مار دیا ہو ۔"

پال نے اس کی طرف دیکھا۔

رحمت بولا ـــــ "ایسا آدمی پنچایت سے بھی سزا پا سکتا ہے اور عدالت سے بھی۔"

کیوں نہیں؟" پال بولا

رحمت نے کہا ـــ" لیکن اس بات کو لیکر جب سبھی مسلمانوں کو مارا اور نکالا جائے۔ ان کے گھر پھونک دیئے جائیں تو کیا یہ انصاف کی بات ہوگی؟"

پال بولا ـ" ہندوؤں کو غصہ آجاتا ہے۔ گئو کو ماتا مانتے ہیں نا۔"

رحمت نے مسکرا کر پوچھا ـ"کیا گاؤں میں کبھی کسی ہندو نے گائے اور بیل کو نہیں مارا ہے؟"

پال بولا ـ"کیوں نہیں۔"

رحمت نے کہا" میرے ہی کھیتوں کے قریب ایک اہیر اپنا کھیت جوت رہا تھا۔ بیل کو ڈنڈا مارا تو اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ کیا یہ اور کہیں نہیں ہوتا"

"ہوتا ہے۔" پال آہستہ سے بولا۔

"مگر ہندوؤں کے گھر تو کبھی نہیں پھونکے گئے۔" رحمت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ بات کچھ اور ہے۔"

پال اس کی طرف دیکھنے لگا۔

رحمت نے کہا ـ" کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ ایسے دنگے ہوں وہ اندر ہی اندر ہندوؤں کو تیار کرتے رہتے ہیں اور جیسے ہی موقع ملتا ہے۔ جھگڑا کرا دیتے ہیں۔ اس میں دین دھرم کی کوئی بات نہیں ہے۔"

پال نے یک بیک سوال کیا۔ "تم تیرنگ پور کیوں جا رہے ہو؟"
رحمت نے کا لکا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "انھیں گھر تک پہونچانے۔"
"ہم لوگ پہونچا دیں گے۔" پال بولا ۔ "تم گاؤں میں ٹھہر جاؤ۔"
اس کے دل میں بھی پولیس اور تیرنگ پور کے ہندوؤں کی طرف سے خطرہ تھا۔

کا لکا نے کراہتے ہوئے کہا ۔" میں انھیں اپنے گھر تک لے جاؤں گا دیکھوں گا کوئی کیا کر لیتا ہے۔"

ارجن سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا ۔" میں یہ سب کہہ چکا ہوں پال۔ اب چلنے بھی دو۔" کہہ کر اس نے بیلوں کو گدگدایا اور وہ تڑپ کر بھاگے۔
کا لکا کئی مرتبہ کراہا۔

" اور تمھاری دوا ــــــ" پال نے پوچھا۔
" پہلے اپنے گھر جاؤں گا۔" کا لکا کمزور لہجے میں بولا ـــ رادھے کی ماں کا معلوم نہیں کیا حال ہوگا۔ رام پیاری کا بیاہ بھی اگلے مہینہ میں ہے" پھر وہ سسکیاں لینے لگا ــ" بیاہ کیا ہوگا۔ رام پیاری کا بھیا تو رہا نہیں ہے۔ راونوں نے مار ڈالا۔"

سب نے اس کی طرف دیکھا اور سب کا دل بھر آیا۔
چار میل کے بعد جگہ جگہ پولیس کے سپاہی دکھائی دیئے لیکن انھوں نے کچھ پوچھا نہیں۔ جب گاڑی دو میل اور چلی گئی تو پولیس زیادہ ہوگئی اور پھر ایک جگہ سپاہیوں نے گاڑی روکی۔

"کہاں سے آرہے ہو۔"

ارجن سنگھ نے جواب دیا۔" دریاپور سے جی۔ پہلے میں بھی پولیس میں نوکر تھا۔" وہ مسکرانے لگا۔

"کہاں جا رہے" ہو سپاہی نے پوچھا۔

" نیرنگ پور"۔ ارجن سنگھ نے جواب دیا۔

" یہ کون لوگ ہیں ؟" اس نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھا ۔

کا لکا بولا ۔" میں کانپور میں نوکر تھا۔ نیرنگ پور میں میرا لڑکا مار ڈالا گیا ہے"

سپاہی نے غور سے اسے دیکھا۔ پوچھا ۔" اور یہ ٹانگ میں کیا ہوا ہے ؟"

کا لکا بولا ۔" ریل لڑ گئی ہے ۔ اسی میں چوٹ لگ گئی تھی ، بہت زیادہ نہیں ہے ۔ ذرا سا تو ہار گڑا گیا ہے ۔ گھر پر ٹھیک کر لوں گا سپاہی جی۔"

سپاہی نے اس کی ٹانگ کی طرف دیکھا اور پھر جانے کی اجازت دیدی لیکن نیرنگ پور کے باہر انھیں دیر تک رکنا پڑا ۔

" یہ مسلمان اندر نہیں جا سکتے۔" تھانے دار نے کہا۔

"کیوں نہیں جا سکتے ؟" کالکا ڈرا نہیں۔

" ہم ان کی حفاظت کا انتظام نہیں کر سکتے ۔" تھانیدار بولا ۔

" میں کر سکتا ہوں ۔" کالکا نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

داروغہ جھلا کر بولا ۔" تیرے لڑکے کو ایک مسلمان نے مار ڈالا ہے اور تو مسلمان کو لے کر اپنے دروازے پر جائے گا ۔

" تو کیا ہوا ؟" کالکا سر اٹھا کر بولا ۔

داروغہ نے غصے کے ساتھ کہا ۔" تیری برادری والے ہی اس کے ٹکڑے

کاٹ کر پھینک دیں گے۔"

کانکا بولا ــ "ٹکڑے اس کے کاٹیں گے جس نے میرے رادھے کو مارا ہے"
اس کی آواز کانپنے لگی۔

داروغہ بولا۔ "یہ نہیں دیکھا جاتا۔ جو مسلمان کبھی مل جائے گا مار ڈالا
جائے گا۔"

کانکا بولا ــ "میرے بیٹے کو مول چند مہاجن کے نوکر نے مارا ہے۔ میرے
گھر والوں نے دیکھا ہے۔"

داروغہ بولا ــ "تو کیا جانے۔ کانپور میں بیٹھے بیٹھے دیکھ رہا تھا کیا؟"

"خط گیا تھا۔" کانکا بولا ــ "میری گھر والی نے اپنی آنکھوں سے
دیکھا ہے۔"

داروغہ نے کچھ تعجب سے کانکا کی طرف دیکھا۔

"انھیں نے ریل میں میری جان بچائی ہے۔" کانکا بولا ــ "یہ میرے
گھر جائیں گے۔"

رحمت بولا ــ "مجھے کوئی نہیں مارے گا داروغہ جی۔ کیا گاؤں کے
ہندو پاگل ہو گئے ہیں جو ایک پردیسی کو مار ڈالیں گے۔"

"میں ذمہ دار نہیں ہوں۔" وہ جل کر بولا۔

"پال سنگھ نے بھاری لہجے میں کہا ــ "ہم بھی ہاتھ پاؤں رکھتے ہیں
کوئی مار کیسے ڈالے گا۔ اپنے ساتھ واپس لے جائیں گے۔"

"بھر جاؤ۔" داروغہ نے جل کر کہا۔

مقصد یہ تھا کہ تم کچھ بھی نہ کرسکو گے اور ہندوستان کا باشندہ رحمت رحیم نے بیس سال میں اپنی جان و مال اور عقیدے کی حفاظت کے لئے ہزاروں روپئے مال گزاری اور ٹیکسوں کی صورت میں گورنمنٹ آف انڈیا کو دیا ہے ۔ بلا جرم قتل کرڈالا جائے گا ۔ پولیس اس کی حفاظت کی ذمہ دار نہیں ہے

ارجن سنگھ نے گاڑی بڑھائی ۔

جب گاؤں میں گاڑی داخل ہوئی تو خوف زدہ لوگوں نے جھانک جھانک کر گاڑی کی طرف دیکھا ۔ آج کل اس گاؤں میں کوئی نیا آدمی مشکل ہی سے آتا تھا ۔

کسی نے کا لکا کو پہچانا ۔

" ارے کالکا چاچا ! وہ چیخا ــــ " تم آگئے ۔ بڑا دکھ ہوا ۔ بیچارہ رادھے ۔"

" بھگوان کی یہی مرضی تھی " کالکا نے کمزور لہجے میں کہا ۔

جس راستے سے گاڑی گزری ادھر یہ خبر پھیل گئی کہ رادھے لال کا باپ آگیا ہے ۔ اب مقدمے میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو سزا دلانے میں اور آسانی ہوگی ۔

گاڑی گاؤں کے اتری کنارے کے بہت ہی بوسیدہ مکانوں کے پاس سے گذری ۔ چمار ، پاسی ، مہتر اور نیچ ذات والے ہمیشہ سے گاؤں کے کنارے آباد کئے جاتے رہے ہیں تاکہ ان کا منحوس سایہ اور گندہ آب و ہوا اونچی ذات کے لوگوں کو نقصان نہ پہونچا سکے ۔ اونچ نیچ ہندوستان کے ذہن ہی میں نہیں ہے ، معاملات اور عمل میں بھی ہے ۔

پھر ایک بہت ہی خراب اور ٹوٹے پھوٹے مکان کے سامنے جا کر گاڑی کھڑی ہو گئی۔

سامنے کی دیواریں جگہ جگہ سے گر گئی ہیں۔ معلوم نہیں کتنے سال سے لدوا نہیں رکھا گیا ہے۔ برسات نے دیواروں کو اوپر سے بہانا شروع کیا تو اوپر کی مٹی بہہ بہہ کر نیو کے قریب جمع ہو گئی اب یہ دیواریں نیچے سے نہیں گریں گی انکی نبیادیں بہت مضبوط ہو گئی ہیں۔ یہ اوپر سے بہتی رہیں گی۔ اور آخر مٹی کا تودہ بن جائیں گی۔

دروازہ گر چکا ہے۔ اگر اسے رسی سے اٹکا نہ دیا گیا ہوتا تو اب تک زمین میں ہوتا۔

بے رونق اور اجاڑ مکان کے اندر اور باہر زندگی کی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔

گاڑی رکی۔ بیل کھول کر سامنے کے جامن کے درخت میں باندھے گئے۔ رحمت اور پال سنگھ نے کانکا کو سہارا دے کر اتارا۔ یہ سب ہوا مگر دروازے کے اندر سے کوئی باہر نہیں آیا۔

کانکا نے کئی مرتبہ دروازے کی طرف دیکھا۔ اس میں بات کرنے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ دل کے اندر چیخ کر رونے، بیان کرنے اور بے پناہ آنسو بہانے کا طوفان موجیں مار رہا تھا۔ وہ بار بار دروازے کی طرف دیکھتا طوفان پھوٹ پڑنے کا منتظر تھا۔ بیوی یا لڑکی کو دیکھتے ہی یہ طوفان اُبل پڑنے والا تھا۔

مگر دروازے پر کوئی نہیں آیا۔

بڑی مشکل سے اس نے مردہ آواز میں کہا — "رام پیاری کہہ کر پکارو۔"

بال سنگھ دروازے کے پاس گیا۔ اس نے پکارا — "رام پیاری۔"

کچھ ٹھہر کر پھر آواز دی — "رام پیاری۔"

"اچھا" ایک مردہ بوڑھی آواز سنائی دی۔"

ہم نے پہلے ہی لکھا ہے کہ یہ انتہائی گرانی اور مفلسی کا سال ہے۔ گاؤں میں لوگوں کو کئی کئی وقت کھانے کو نہیں ملتا۔ جب ہنگامہ ہو گیا اور پولیس آگئی، اور گھر کا کمانے والا رادھے لال مار ڈالا گیا تو کالکا کی بیوی اور بیٹی کا کوئی پرسان حال نہیں رہا۔ چارپائی کپڑے، گوئی۔ ہل۔ یہاں تک کہ گلٹ کے کڑے کبھی چھ آنے میں بیچ ڈالنے کے بعد آخری مرتبہ ماں نے چھپر کے بالس دو روپیہ کے بیچ ڈالے اور پھر گھر میں کچھ نہیں رہ گیا۔

مقدمے کے سلسلے میں مول چند کا لڑکا کئی مرتبہ ہمدردی کرنے آیا گواہی سکھائی اور رام پیاری کو شوق کے ساتھ دیکھا۔

کل دو دن کی بھوکی ماں مول چند کے لڑکے کے پاس گئی تھی

" بیٹا کچھ کھانے پینے سے مدد کرو۔ دو دن سے چولھا نہیں جلا ہے۔" اور اس کی آنکھ سے مشکل سے آنسو کی کوئی بوند نکلی۔

کمل بابو نے کہا — "اچھا بیٹھو۔"

رام پیاری کی ماں بیٹھ گئی۔

کمل بابو نے جلدی جلدی گاہکوں کو رخصت کیا۔ جب دوکان پر

کوئی اور نہیں رہ گیا تو بولا ــــ "ہاں اب کہو کیا کہتی ہو؟"

رام پیاری کی ماں بولی ــــ "کہوں کیا بھیّا۔ کھانے کو کچھ نہیں ہے۔"
اور اس کی آنکھوں سے ایک دو بوند آنسو نکلے۔

کمل نے کہا ــــ "دیکھو رام پیاری کی بوا، تم جانتی ہو کہ تمہارے لڑکے نے تہاجی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا۔ پھر بھی میں بھگوان کے نام پر تھوڑی بہت مدد کرسکتا ہوں۔"

اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا ــــ "لیکن میری شرط کو مان سکو گی؟"

ماں رونے لگی۔ بولی ــــ "ہم لوگ بالکل مر رہے ہیں بھیا۔ آج کھانے کو نہ ملا تو زندہ نہیں رہیں گے۔"

"کھانے کو خوب ملے گا۔" وہ بولا ــــ "مگر رام پیاری کا بوجھ اپنے سر پہ کیوں لادے ہوئے ہو۔ اسے میرے ذمے لگا دو۔ تمہیں کھانے کو بھی دوں گا اور پہننے کو بھی۔ گھر بھی بنوا دوں گا۔ اب تم لوگوں کو دیکھنے والا اور کون رہ گیا ہے۔

رام پیاری کی ماں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے کمل کی طرف دیکھا۔

اس نے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ بولا ــــ گھر چلو میں سامان لے کر ابھی آتا ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ کمل بابو کو خوش رکھو گی تو اس گاؤں میں زمینداروں کی طرح رہو گی۔"

کوئی سودا لینے آرہا تھا ــــ بولا ــــ "اب تم چلو۔ میں گھنٹے دو گھنٹے میں آتا ہوں۔ ذرا دوکان پر تہاجی آجائیں۔"

پھر اس نے پاؤ بھر گڑ کا ایک ٹکڑا کاغذ میں لپیٹ کر دیتے ہوئے کہا۔
جب تک یہ کھا کر پانی پیئو۔ سب انتظام ہو جائے گا۔
بغیر کچھ کہے ہوئے وہ دکان سے اٹھی اور اپنے گھر کی طرف چلی۔ لیکن جیسے اس کی عمر دس سال اور آگے نکل گئی تھی اور جسم کی طاقت جتنی تھی بھی وہ بھی نہیں رہی تھی۔
جب وہ کمل بابو کے آنے کا انتظار کر رہی تھی تو دروازے پر کسی کے پکارنے کی آواز سنی۔
کالکا کی بیوی آہستہ آہستہ دروازے کے پاس پہونچی۔
دیکھا کہ کمل بابو نہیں ہیں کوئی اور آدمی ہے۔ بھوک سے نڈھال عورت نے کانپتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "کون ہے؟"
"کالکا بابا آئے ہیں۔" پال سنگھ نے کہا۔
"کہاں؟" جیسے عورت کی چیخ نکل گئی۔
"باہر ہیں۔" پال سنگھ نے کہا۔
عورت کے جسم میں جیسے بجلی کی ایسی طاقت آگئی۔ آواز بھی بدل گئی وہیں سے چیخی — "رام پیاری، تیرے دادا آگئے —!"
"دادا" اندر سے لڑکی جھپٹ کر دروازے کی طرف چلی۔
دونوں جیسے کالکا پر ٹوٹ پڑیں۔ "ہائے رام۔ بھیا کو مار ڈالا۔"
کالکا چیخا۔ "ہائے رام۔ میرا رادھے!"
یہ چیخ پکار، رونا پیٹنا، رادھے کے اوصاف کا بیان تھوڑی دیر

تک رہا۔ پھر جیسے بارش کا زور دار ریلا یک بیک رک جائے۔ بالکل اسی طرح تینوں کی آواز بند ہو گئی۔

"میری ٹانگ میں چوٹ ہے" کالکا نے کہا ــــ ریل لڑ گئی۔ بال بال بچ گیا رادھے کی ماں، نہیں تو تم لوگوں کو دیکھ بھی نہ پاتا۔"

پھر پال سنگھ کی طرف دیکھا۔" بھیا ذرا گھر کے اندر پہونچا دو، چلو تم لوگ بھی چلو۔ میاں جی اندر چلو۔ رادھے کی ماں کے پاس کچھ ہوگا تو ابھی پکا دے گی۔ بڑا اچھا کھانا پکاتی ہے رادھے کی ماں۔"

رادھے کی ماں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے شوہر کی طرف دیکھا۔

ارجن سنگھ نے کہا ــــ" چارپائی لے آؤ۔ اس پر لٹا کر اندر پہونچا دیں۔"

کالکا نے بیٹی کی طرف دیکھا ــــ" رام پیاری اندر سے کھٹیا نکال لا بیٹی۔"

رام پیاری نے ماں کی طرف دیکھا۔

"نہیں ہے۔" ماں نے غمگین لہجے میں کہا۔

"نہیں ہے" کالکا کچھ سمجھ نہ سکا۔

پھر جلدی سے بولا ــــ" اچھا، ذرا سہارا دو پال بھیا، میں چلا چلوں گا۔"

"آؤ۔" رحمت نے اسے دونوں ہاتھ پکڑ کر پیٹھ پر لادتے ہوئے کہا۔ "اسی طرح تو ریل کے پاس سے اٹھایا تھا۔" اور وہ ہنسنے لگا۔

پیٹھ پر لاد کر وہ گھر کے اندر داخل ہوا۔ صرف ایک کوٹھری تھی۔ اس کے اندر فرش پر پھٹا ہوا بورا بچھا تھا۔ رحمت نے اسی بورے پر کالکا کو لٹا دیا۔

باقی لوگ بھی گھر میں داخل ہوئے۔

کالکا نے اپنے لٹے ہوئے ویران گھر کو دیکھا۔ اس نے سوچا ـــــ

"شاید لڑائی میں مسلمان لوٹ لے گئے۔"

عورت آکر سرہانے بیٹھ گئی۔

عجیب خاموشی چھا گئی۔ اس گھر کے اندر آنے کے بعد سبھی کے دل بجھ گئے۔

آخر کالکا ہی کانپتے ہوئے لہجے میں بولا ـــ "کہیں بیٹھ جاؤ ارجن بھیا پال بھیا بیٹھو۔ میرا گھر لٹ گیا ہے۔ ایسا نہیں تھا کھائیو۔ اب تو ایک کھٹیا بھی نہیں رہ گئی ہے۔"

پال سنگھ نے بے چینی کے ساتھ بولا ـــ "جھگڑے میں لٹ گیا ہوگا مائی؟"

"نہیں" کالکا کی عورت نے کہا۔

"پھر" پال سنگھ نے پوچھا۔

عورت نے آنسو بھر کر جواب دیا ـــ "رادھے مر گیا۔ یہ گھر پر نہیں تھے۔ کھانے کو کہاں سے ملتا۔"

کالکا نے اس کی طرف دیکھا۔

عورت نے آنکھیں پونچھ کر کہا — "بیچ بیچ کر کھا رہی ہوں۔ اب کچھ بیچنے کو بھی نہیں رہ گیا ہے۔"

سب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

کالکا کا جیسے دم نکل گیا۔ اس کی جیب میں بھی ایک پیسہ نہیں تھا چل پھر بھی نہیں سکتا تھا۔

ایک لمحہ موت کا سناٹا چھایا رہا۔

پھر دروازے پر کسی نے پکارا — "رام پیاری!"

"کون ہے" پال سنگھ نے پوچھا۔

مرد کی آواز سن کر باہر کا آدمی اندر آگیا۔

سب لوگ کوٹھری میں تھے۔ پال سنگھ ہی باہر کھڑا تھا۔ ایک مضبوط اور توانا آدمی کو دیکھ کر کمل بابو نے پوچھا۔

— "تم کون ہو؟"

اندر سے کالکا کی عورت جھپٹ کر نکلی۔

"آؤ کمل بابو، رام پیاری کے پتاجی آگئے ہیں یہ دیکھو۔ ٹانگ میں چوٹ لگ گئی ہے۔"

کالکا کا چہرہ غصے سے کالا پڑ گیا ہے۔ اسی کے نوکر نے اس کے لڑکے کو مارا تھا۔

کمل نے اندر جھانکا۔

"کیسے ہو کالکا؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

اچھا ہوں : کالکانے جواب دیا ۔ "تم لوگ لوٹے مارے تو نہیں گئے"
اس نے پوچھا۔
کمل بولا ۔ "اتنی ہمت کس میں تھی۔ بیچارے ردھوا کو مار کر سب بھاگ گئے۔ میں نے بھی ایک ایک گھر میں آگ لگوادی اور دس کو مرواکر پھنکوا دیا۔ تم دکھی نہ ہونا۔ گاؤں کے ہندؤں نے تمہارے لڑکے کے خون کا بدلہ لے لیا ہے"
اس نے مشکوک نگاہوں سے رحمت کی داڑھی کی طرف دیکھا۔
کالکا بولا ۔" تمہارے گھروں کو لوٹتے تو کچھ ملتا بھی۔ ہم لوگوں کے یہاں کیا رکھا تھا۔"
"اتنی مجال تھی ۔" کمل اکڑ کر بولا ۔" ہم لوگوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے عزت کر ڈالا۔ بھاگتے ہی راستہ ملا ملیچھوں کو۔"
کالکا بولا۔ "بہت سے مسلمان ہندوؤں سے اچھے ہوتے ہیں۔"
کمل نے کالکا کی طرف دیکھا۔ وہ کالکا کا مطلب سمجھ نہیں سکا۔
پھر جیسے کالکا ابل پڑا ۔" ذرا میری ٹانگ اچھی ہو جانے دو اگر رادھے کے قاتلوں کا بنس نہ اجاڑ دیا تو کالکا ریدا س نہ کہنا کمل ۔"
خالی کمل کہنے پر کمل کا چہرہ بدل گیا۔ مگر مسکرا کر بولا ۔ وہ سب بھاگ گئے ۔ اب تمھیں کہاں ملیں گے ۔"
کالکانے نفرت کے ساتھ کہا۔" وہ بھاگے نہیں ہیں گاؤں ہی میں ہیں خیر دیکھوں گا ۔" اس کی آواز کانپنے لگی۔

کالکا کی عورت جلدی سے بولی ــ "اب جاؤ کمل بھیا۔ تمھارے بیٹھنے کی لئے کوئی جگہ بھی ، نہیں ہے ۔"

کمل نے رام پیاری کی طرف دیکھا۔ اس کا شیطان ساتھ ساتھ آیا تھا اسی نے کہلایا ــ " رام پیاری کو بھیج دینا۔ دوکان سے سودا مل جائے گا۔"

کالکا نے اس کی طرف دیکھا۔

عورت جلدی سے بولی ــ " میں آجاؤں گی اب جاؤ کمل بھیا۔"

کمل نے چلتے ہوئے پوچھا ــ "یہ کون لوگ ہیں ۔"

"پہونچانے آئے ہیں ۔" عورت نے کہا ــ " میں آجاؤں گی۔"

کمل جانے لگا۔

معلوم نہیں کیوں ۔ یکایک پال سنگھ کا ہاتھ مونچھوں پر گیا ۔ اس نے کمل کی طرف دیکھ کر کہا ــ " لالہ یہ تو کوئی بہادری نہیں ہے کہ ہزاروں آدمی مل کر تھوڑے سے لوگوں کو اجاڑ دیں اور پھر اس بات کو گھمنڈ کے ساتھ بیان بھی کریں ۔"

کمل نے پلٹ کر حیرت سے پال سنگھ کی طرف دیکھا۔ بولا ــ " اور یہ بہادری تھی کہ رادھے کو بے قصور چاقو مار کر ہلاک کر ڈالا ؟"

بہادری وہ بھی نہیں تھی۔ پال سنگھ نے کہا ۔" مگر تمھارے گاؤں میں جو کچھ ہوا وہ نہ دیس کے لئے عزت کی بات ہے اور نہ ہندوؤں کے لئے ۔"

کمل کہنے لگا ــ جب تمھارے گاؤں میں مسلمان گائے کاٹیں اور ہندوؤں کو چاقو ماریں تو ان کی دعوت کا انتظام کرنا۔ ہم لوگ یہ نہیں کر سکتے ۔"

یکایک کالکا چیخا اٹھا ـــ میرے راد ھے لال کو تم لوگوں نے مارا ہے
سب جانتا ہوں۔ بس زبان نہ کھلواؤ کمل ـــ اچھا یہی ہے کہ یہاں سے
چلے جاؤ۔"
کمل بھی چیخا ـــ" نہیں تو کیا کرے گا چمار کے بچے۔"
"یہ تو ٹانگ اچھی ہونے کے بعد معلوم ہوگا۔" کالکا نے زور سے کہا ۔" اب
کبھی میرے دروازے پر نہ آئیو بیٹے۔ گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔"
جیسے کمل پاگل ہوگیا ـــ" تیری اتنی ہمت ہوگئی ـــ کس بھول میں
ہے ـــ گھر تک کھدوا ڈالوں گا ـــ سمجھا کیا ہے۔"
یکایک پال سنگھ نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس کی گدی پکڑ لی پھر
وہ کمل کو کھینچتا ہوا دروازے تک لے گیا۔ بولا ـــ زیادہ آپے سے باہر نہ ہو
لالہ جی۔ بھگوان سبھی کے پالن ہار ہیں۔ ابکی تمھیں سے رشتے داری نہیں ہے۔"
کمل کھنچا ہوا دروازے تک چلا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے زنبور سے
گردن پکڑی گئی ہو۔
پال سنگھ نے جھٹکا دیکر اسے راستے کی طرف بڑھا دیا۔
کمل کانپتا ہوا آگے بڑھا ـــ" اچھا ـــ بدمعاشو ـــ دیکھوں گا۔"
پال سنگھ نے قہقہہ لگایا اور گھر واپس آگیا۔
کالکا کہہ رہا تھا ـــ" یہ مول چند کا لڑکا ہے ۔ میرے بیٹے کو انھیں لوگوں
نے مروا ڈالا۔ اس نے مول چند کو مارا تھا۔ ترازو میں سیر باندھ کر کم تولتا تھا۔"
پال سنگھ نے کہا ـــ" وہ چلا گیا۔ بیچارہ ایک جھٹکے میں کانپنے لگا۔

پال سنگھ ہنسنے لگا۔ پوچھا ــــ ابھی کتنی دیر بیٹھنا ہے چاچا جی۔"
"چلو میاں صاحب۔" ارجن سنگھ نے کہا۔ پہونچتے پہونچتے دوپہر ہو جائے گی۔"

رحمت نے کالکا کی طرف دیکھا۔
دونوں کی آنکھیں ملیں۔ کالکا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
اس نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اچھا جاؤ میاں صاحب۔ بھگوان جو اچھا سمجھیں گے وہی ہوگا۔"
رحمت نے آہستہ سے پوچھا۔ "خرچ کیسے چلاؤ گے۔"
کالکا کی آنکھیں بہہ نکلیں۔ بولا۔ "جنھوں نے پیدا کیا ہے وہی کچھ کرینگے"
رحمت نے کمر سے روپے نکالے۔ معلوم نہیں کتنے تھے۔ کالکا کی طرف بڑھا کر بولا ــــ یہ خرچ کرنا اور اسپتال آج ہی چلے جانا۔"
"کون لے جائے گا" اور وہ آہستہ سے بولا۔ لیکن روپیوں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔
اس کی عورت نے للچائی ہوئی نگاہوں سے نوٹوں کی طرف دیکھا۔
"یہ رکھ لو۔" رحمت نے پھر کہا۔
"کیا کروں گا۔" کالکا بولا ــــ "یہاں بازار جانے والا بھی تو کوئی نہیں ہے جو باپ کی خدمت کرتا وہ تو چل ہی بسا۔"
اس کے اتنا کہنے کے ساتھ ہی اس کی بیوی اور لڑکی کی سسکیوں سے وہ کوٹھری گونج اٹھی۔

پال سنگھ بولا — "روپیہ رکھ لو بابا۔ پیسہ پاس ہو تو کام کرنے والے مل جاتے ہیں۔"

"کوئی نہیں ہے بھیا۔" عورت بولی — "جتنے چار تھے سب بھاگ گئے۔ روز پولیس دروازے کھٹکھٹا رہی تھی۔ بیگار لے رہی تھی۔ کھانے کو بھی ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ سب بھاگ گئے۔"

ارجن سنگھ نے پوچھا — "کہاں چلے گئے۔"

"کسے معلوم۔" وہ بولی — "سنتے ہیں کہ کچھ شہر چلے گئے اور کچھ گڑھ کے بھٹے پر کام کر رہے ہیں۔ لڑائی کیا ہوئی گاؤں کے غریب اجڑ گئے۔"

رحمت نے کالکا کے بالکل قریب جا کر کہا — "یہ رکھ لو۔"

لیکن کالکا چیخ اٹھا "اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ تمھارے جاتے ہی ہم لوگ مر جائیں گے۔"

وہ بچوں کی طرح رونے لگا۔

رحمت عجیب مصیبت میں پڑ گیا۔ اگر آج اسٹیشن نہیں پہونچتا ہے۔ تو سید صاحب بمبئی روانہ ہو جائیں گے۔ پھر وہ انھیں کہاں تلاش کرے گا۔"

روپیہ اس کی گود میں ڈال کر رحمت کھڑا ہو گیا — "خدا پر بھروسہ رکھو کالکا اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ وہی غریبوں کی مدد کرنے والا ہے۔"

لیکن ان نصیحتوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ کالکا کہنے لگا "تمھیں بھگوان نے اتنے ہی دنوں کے لئے بھیجا تھا۔ میں کل پرسوں تک ضرور مر جاؤں گا۔ میاں جی۔ دیکھ لینا کوئی دوا تک لا کر نہیں دے گا —" اور وہ پھوٹ پھوٹ

کر رونے لگا۔

ارجن سنگھ نے اشارہ کیا ۔۔ "چلو میاں صاحب"

" اچھا میں چل رہا ہوں ۔" رحمت کانپتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"سلام" کالکا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا ۔۔ " بھگوان تمہیں کبھی کسی دکھ میں نہ پھنسائیں ۔ ہمیشہ خوش رہو ۔" اور اس کی سسکیوں میں الفاظ دب کر رہ گئے ۔

تینوں آدمی تیزی سے باہر نکل گئے ۔ کیونکہ اب وہ کالکا کے گھر کا غمناک منظر دیکھنے کے قابل نہیں رہے تھے ۔

لیکن دروازے تک ان کے رونے کی آواز آ رہی تھی اب لڑکی کی آواز سب سے بلند تھی کیونکہ ابھی تک وہ غیر آدمیوں کے سامنے رو نہیں سکی تھی ۔

" ہائے میرے دادا ۔ ہائے میرے دادا ۔"

ارجن سنگھ نے گاڑی چلائی ۔ پال سنگھ جست لگا کر گاڑی پر بیٹھا ۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر کہا ۔۔ " آؤ میاں جی ۔"

رحمت اس کے ہاتھ کا سہارا لیکر گاڑی پر بیٹھا ۔ پلٹ کر دیکھا تو دروازہ پر کالکا کی لڑکی تھی وہ دیوار سے منہ لگائے ہوئے جھانک رہی تھی ۔ آنسو آنکھوں سے جاری تھے ۔

گاڑی آگے بڑھی ۔

رحمت نے دیکھا کہ لڑکی نے کئی مرتبہ جلدی جلدی آنسو پونچھے لیکن وہ پھر اُبل آئے ۔

"مرجائے گا۔" رحمت کے دل نے کہا ۔" مہاجن دشمنی پر تل گیا ہے۔ اس غریب کو کون اسپتال لے جائے گا۔"

ارجن سنگھ بولا ۔" بھلا اتنا کون کر سکتا ہے۔ موت سے بچایا۔ گاڑی کا کرایہ دیا ۔ خرچ کے لئے اور روپیہ دیا۔ اب میاں جی رک کیسے سکتے تھے۔"

پال سنگھ بولا ۔" اور کیا۔ جان کو بھی تو خطرے میں ڈالنا ہے پھر انھیں حج کے لئے جانا ہے۔ سامان اسٹیشن پر پڑا ہے۔ سب اپنا ہی سوچتے ہیں بس۔"

لیکن رحمت نے یہ سب نہیں سنا ۔ دل کہہ رہا تھا ۔"وہ لوگ کتنی مصیبت میں ہیں۔ انھیں کوئی اس دلدل سے نکال نہیں سکتا۔"

"کیوں نہ دو دن ٹھہر کر علاج کرا دوں۔"

"سید صاحب ممبئی میں تو مل ہی جائیں گے۔"

جہاز چھوٹنے میں تو ابھی ایک ہفتہ باقی ہے۔"

"ممبئی میں بے کار ہی تو پڑا رہنا ہوگا۔"

"رک جاؤ رحمت۔" اللہ کے یہ بندے شاید تمہاری آزمائش کے لئے تمھیں دکھائے گئے ہیں۔"

وہ جیسے چیخ کر بولا ۔"گاڑی روکو۔"

"ارجن سنگھ نے پلٹ کر دیکھا۔ پھر بیلوں کی راس کھینچ لی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں دو دن ٹھہر جاؤں گا۔" رحمت بولا۔
پال سنگھ نے اس کی طرف دیکھا۔ "تمھیں حج کو جانا ہے میاں جی۔"
"چلا جاؤں گا۔" وہ بولا — "جہاز ایک ہفتہ بعد چھوٹے گا۔"
حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر ارجن سنگھ نے کہا — مگر میاں جی یہاں سب ہندو ہیں۔ رات کو.... "
رحمت مسکرا کر بولا — "سب ہندو خونی نہیں ہوتے بھائی۔"
ارجن سنگھ نے کہا — مگر جو خونی ہیں وہ تمھیں مار ڈالیں گے۔"
رحمت بولا — "نہیں ارجن سنگھ - اللہ ان سب سے زیادہ طاقتور ہے وہ مجھے بچائے گا۔ نہ بچایا تو بھی میرا نقصان نہیں ہوگا۔"
دونوں راجپوتوں نے حیرت سے اس بہادر انسان کو دیکھا۔
ارجن سنگھ نے بیلوں کو موڑا "چلو گاڑی سے پہونچا دوں۔"
"نہیں یہیں اتار دو۔" رحمت بولا — اب تکلیف کیوں کروگے۔"
مگر ارجن سنگھ نے گاڑی گھمائی اور کالکا کے گھر کی طرف چلنے لگا۔
رحمت بولا وہ واقعی مر جائے گا۔ اس گاؤں میں اس غریب کی کون مدد کرے گا۔"
ارجن سنگھ نے کہا — "میاں تم سچ مچ آدمی ہی ہو۔"
رحمت ہنسنے لگا بولا — "کیا تمھیں جانور دکھائی دے رہا ہوں۔"
"ارجن سنگھ نے کہا — نہیں۔ مگر میں سوچتا ہوں، کالکا نے کہا تھا — بھگوان مجھے بچانے کے لئے آدمی کے روپ میں آگئے ہیں۔ کہیں وہی بات تو

سچ نہیں ہے۔"

رحمت نے دونوں گالوں پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔" توبہ توبہ، کہیں ایسا ہو سکتا ہے۔ میں ایک گناہگار انسان ہوں اپنے اللہ کے گھر جا رہا ہوں تاکہ اس سے بخشش اور نجات کی دعا مانگوں۔ ممکن ہے وہ میرے گناہوں کو معاف کر دے۔"

اور رحمت کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

ارجن سنگھ نے ٹھنڈی سانس لی۔ بولا۔" اگر مجھے تمھارا ایسا دل مل جاتا میاں جی تو اپنے کو مہاتما سمجھنے لگتا۔"

رحمت نے خود بخود کہا۔" اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

گاڑی پھر تانگا کے دروازے پر ٹھہر گئی۔

رحمت نیچے اتر کر بولا۔" بس جاؤ ارجن سنگھ بھائی۔ تمھیں بڑی تکلیف ہوئی۔"

ارجن سنگھ کے ہونٹ تھرتھرا رہے تھے۔ وہ کچھ کہہ نہیں سکا۔ یکایک جھک کر رحمت کے پاؤں چھوئے اور ہاتھ ماتھے سے لگا کر آہستہ سے بولا۔" دھنیہ ہو مہاراج۔ میرے لئے بھی اپنے اللہ سے دعا کرو۔ میں بھی بڑا ہی پاپی ہوں۔"

رحمت نے جلدی سے پاؤں ہٹا لئے اور بولا۔" ارجن سنگھ یہ کیا ہے"

"کچھ نہیں" ارجن سنگھ نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔" تم واقعی دیوتا سمان ہو۔"

رحمت نے اپنی آنکھوں کے آنسوؤں کو روکا۔ بولا۔" ارجن سنگھ تم نے بھی کچھ کم نیکی نہیں کی ہے۔"

"کچھ بھی نہیں کی ہے۔" وہ بولا ــــ "کرایہ لیا ہے۔ وہ کرایہ واپس کرنے کی ہمت بھی نہیں ہے۔ بھگوان کے سوا کون ہے جو یہ ہمت دے سکے گا۔"

دروازے سے لڑکی نے پھر منہ نکالا۔

رحمت نے کہا۔ "اچھا بھائی سلام"

پال سنگھ بالکل مورت بنا کھڑا تھا۔ وہ سلام کا جواب بھی نہ دے سکا۔

گاڑی پھر چلی۔ دونوں راجپوت گاڑی میں بیٹھ کر واپس ہو گئے۔

رحمت گھر کے اندر چلا گیا۔

پولیس کے کئی سپاہی سامنے سے آئے۔ انھوں نے گاڑی روکی ــــ۔

"کہاں سے آئے ہو؟" سپاہی نے ڈانٹ کر پوچھا۔

"دریاپور سے۔" ارجن سنگھ نے جواب دیا۔

"کسے لائے ہو؟" سپاہی نے پوچھا۔

"کالکا ریداس کو۔" وہ بولا۔

"کسی مسلمان کو بھی۔" سپاہی نے پوچھا۔

ارجن سنگھ بولا۔ "کالکا کا ایک ساتھی اور ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون ہے؟"

"کمل بابو کہتے ہیں وہ مسلمان ہے۔" سپاہی نے پوچھا۔

ارجن سنگھ بولا۔ "میں نے کرایہ لیا اور انھیں پہونچا دیا۔ دین دھرم تو پوچھا نہیں۔"

سپاہی یہ کہتا ہوا آگے بڑھا۔ "گاڑی ادھر سامنے میں کھول دو۔

مسلمان ہے تو واپس لے جانا ہو گا۔"

"اچھا۔" ارجن سنگھ بولا۔

وہ آگے بڑھا اور سپاہی کالکا کے گھر کی طرف چلے گئے۔

ارجن سنگھ نے پلٹ کر دیکھا۔

تھوڑا آگے بڑھنے کے بعد اس نے بیلوں کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ "چل"

بیل تیزی سے دکھن کی طرف بھاگے۔

ارجن سنگھ نے سپاہیوں کو ایک گالی دی۔ کہنے لگا۔ "اب کہاں پاؤ گے حرام خورو۔"
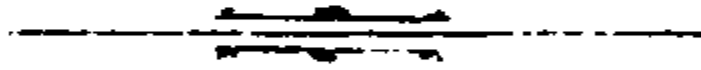
پانچ ۔۔!

● رحمت گھر میں داخل ہوا ۔ مسکرا کر بولا ۔۔" میں واپس آ گیا کالکا بھائی ۔"

" ہے بھگوان ہے بھگوان ۔" کالکا نے ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے ۔"

اس کے بعد کہنے لگا ۔۔" مجھے اپنے پاؤں چھونے دو بھیا ۔"

رحمت مسکرا کر بیٹھ گیا ۔ کہنے لگا ۔ " پاؤں چھونے سے کیا ہو گا ۔"

پھر وہ جلدی سے بولا ۔۔" اب کچھ کھانے پکانے کا انتظام بھی کرو کالکا کیا سب بھوکے ہی رہیں گے ۔"

کالکا نے بیوی سے کہا ۔۔" کوئی سودا لانے والا ملے گا ۔"

" کون ملے گا ۔" عورت بولی ۔ " کسی کو بلاؤں گی تو آئے گا بھی نہیں ۔ سب جانتے ہیں کہ ہم لوگ فاقے کر رہے ہیں "

" اچھا میں لاتا ہوں ۔ رحمت نے اٹھتے ہوئے کہا ۔

کالکا کی بیوی بولی " نہیں تم نہ جاؤ میاں جی ۔ سب مسلمانوں کے دشمن

ہو رہے ہیں۔"

رحمت نے چلتے ہوئے کہا — "مجھ پردیسی کو نہیں ماریں گے۔ میں نے ان کا کیا نقصان کیا ہے۔"

اور وہ باہر نکل گیا۔

لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ "آگ کے لیے دیا سلائی بھی منگانا۔"

کالکا نے زور سے کہا — "ایک دیا سلائی بھی لانا بھیا۔ گھر میں آگ نہیں ہے۔"

"اچھا۔" اس نے دروازے پر سے جواب دیا۔"

لیکن وہ جیسے ہی آگے بڑھا۔ پولیس کے سپاہیوں نے اسے روک دیا

"تم کون ہو جی؟" ایک سپاہی نے پوچھا۔

رحمت نے ان کی طرف دیکھا۔ اطمینان سے جواب دیا — "میں کالکا کے یہاں آیا ہوں۔"

"کہاں سے" سپاہی نے پوچھا — "کیا نام ہے۔"

رحمت نے دوسرے سوال کا جواب دیا — "میرا نام رحمت ہے۔"

"رحمت۔" سپاہی نے تعجب سے پوچھا۔ "مسلمان ہو۔"

"ہاں۔ اللہ کا شکر ہے۔" رحمت بولا۔

سپاہی نے کہا۔ "یہاں ہندو مسلم فساد ہو رہا ہے" "تمھیں معلوم نہیں ہے"

"معلوم ہے" رحمت نے جواب دیا۔

پھر کیوں آئے ہو۔" سپاہی نے کہا۔ "جھگڑا کرنے۔"

رحمت مسکرا کر بولا ۔" میں اکیلا پردیسی کسی سے جھگڑا کیوں کروں گا۔"

"تم جھگڑا نہیں کروگے ۔" سپاہی نے کہا ۔" اگر تم سے کسی نے جھگڑا کیا تو ہم لوگوں کی بدنامی نہیں ہوگی ؟"

رحمت ہنسنے لگا ۔ بولا ۔" اتنی پولیس کے ہوتے ہوئے کوئی جھگڑے کی ہمت کیسے کر سکتا ہے ۔"

ایک سپاہی بولا ۔ یہ فسادی آدمی معلوم ہوتا ہے ۔ لے چلو ۔"

رحمت نے اس کی طرف دیکھا ۔ کہا ۔" میں فسادی معلوم ہوتا ہوں یہ کیسے معلوم ہوا ۔"

" بہت قانونی ہے " ایک سپاہی جل کر بولا ۔

رحمت نے آہستہ آہستہ کہا ۔" بھائیو ! میں فسادی یا قانونی نہیں ہوں ۔ ریل لڑ گئی تھی ۔ اس گھر کا آدمی کا لڑکا زخمی ہو گیا ہے ۔ لائن کے کنارے پڑا تھا ۔ مجھ سے کہا کہ اس کے گھر پہونچا دوں ۔ میں یہاں لے آیا ۔ گھر والے فاقوں سے مر رہے ہیں ۔ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے ۔ بازار کھی نہیں جا سکتے ۔ ان کے کھانے کا انتظام کرنے جا رہا ہوں ۔ تم لوگ خود ہی جا کر یہ سب دیکھ لو ۔"

ایک سپاہی آہستہ سے بولا ۔ جزاک اللہ ۔

رحمت نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا ۔

سپاہی بولا ۔" چلو دیکھیں ۔"

شاید دوسرے سپاہیوں کو یہ بات اچھی نہیں لگی ۔ ایک بولا ۔" نہیں اسے

داروغہ جی کے پاس لے چلو۔"

پہلے سپاہی نے کہا۔ "کس جرم میں ۔"

دوسرا سپاہی کچھ بگڑ کر کہنے لگا۔۔۔ "تم بھی مسلمان ہو نا غفور اسی لئے اس کی طرفداری کر رہے ۔"

غفور جھلا کر بولا ۔۔ "ہم نے امن و امان اور انصاف قائم رکھنے کے لئے نوکری کی ہے ۔ کیا تم انصاف کو قتل نہیں کر رہے ہو شرما ۔"

شرما نے تیز نگاہوں سے اسے دیکھا ۔ پوچھا ۔۔۔ "کس بات سے انصاف قتل ہو رہا ہے ؟

غفور نے زور دیکر کہا ۔۔ "اس بات سے کہ ایک مسلمان اس گاؤں میں موجود ہے تو تم اس کی حفاظت کرنے کے بجائے اسے جیل پہونچا دینا چاہتے ہو ۔ کس جرم میں ؟"

شرما منھ پھیر کر بولا ۔۔ "یہ تم نہیں بول رہے ہو، مسلمان بول رہا ہے ؟"

غفور نے بھی جھلا کر کہا ۔۔۔ "تم بھی نہیں بول رہے ہو، جن سنگھی بول رہا ہے ۔"

"میں تمھاری رپورٹ کروں گا ۔" شرما پلٹ کر چیخا ۔

"کر دینا" غفور نے اکڑ کر کہا ۔۔ "میرے ذمہ جو فرض عائد ہوتا ہے اسے پورا کروں گا ۔"

پھر اس نے رحمت سے کہا ۔۔۔ "تم احترام کے قابل ہو رحمت میاں

چلو بھوکوں کے لئے بازار سے سودا خرید و۔ میں تمھاری حفاظت کروں گا۔"
باقی دونوں سپاہی جھلا کر بولے ـــ" ابھی معلوم ہو جائے گا۔" اور وہ سامنے کی سڑک پر چل دیئے جو پولیس کے کیمپ کی طرف جاتی تھی۔
رحمت غفور کے ساتھ بازار جا رہا تھا۔
غفور نے پوچھا:" اس آدمی کو پہلے سے نہیں جانتے۔"
" نہیں۔" رحمت نے جواب دیا۔" میں تو حج کو جا رہا تھا۔ سامان اور ساتھی سب اسٹیشن پر پڑے ہوئے ہیں۔ ان مردوں کو چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں۔ دو ایک دن میں ان کے جسم میں کچھ طاقت آجائے تو بمبئی جا کر اپنے ساتھیوں سے مل لوں گا۔ جہاز ایک ہفتہ بعد جائے گا۔"
غفور نے فخر کے ساتھ رحمت کو دیکھا۔
رحمت بولا ـــ" یہ لوگ تمھیں نقصان پہونچا دیں گے۔"
"پروا نہیں۔" وہ بولا ـــ" میں خود ہی استعفا دینے والا ہوں۔"
"کیوں؟ رحمت نے پوچھا ـــ" نوکری تو اچھی ہے۔"
غفور نے کہا ـــ" اب یہاں انصاف نہیں ہے۔ مسلمانوں کو تباہ کرنے میں ان کا بھی ہاتھ ہے۔
" بڑے افسوس کی بات ہے۔" رحمت بولا ـــ" آخر دیس کا کام کیسے چلے گا۔ جھگڑوں میں تو چل نہیں سکتا۔"
غفور بولا ـــ" یہ وہ جانیں جنھیں چلانا ہو۔ میں ان کے ساتھ رہ کر تھک گیا ہوں۔ اس گاؤں کے مسلمانوں کو تھوڑے سے ہندوؤں اور پولیس نے

اجاڑا ہے۔ اب بھی زیادہ ہندو امن امان سے رہنا چاہتے ہیں۔"
وہ بازار پہونچ گئے۔ رحمت نے غفور کے ساتھ کھانے پینے کا سامان خریدا۔ بنیئے نے کچھ مشکوک نگاہوں سے رحمت کو دیکھا۔ شاید سودا دینے سے انکار بھی کر دیتا لیکن سپاہی کی وجہ سے خاموش رہا۔
جب رحمت نے پیسے دے دیئے اور سامان اپنے کپڑے میں باندھ لیا تو دیکھا کہ داروغہ اور دونوں سپاہی ادھر آرہے ہیں۔
غفور بھی سمجھ گیا کہ اب اس کی خیریت نہیں ہے۔
داروغہ بہت غصے میں تھا۔ قریب آکر بولا۔" کیا بات ہے غفور سپاہی؟"
غفور نے آہستہ سے جواب دیا۔" بات تو کچھ نہیں ہے۔"
داروغہ نے رحمت کی طرف دیکھا۔" یہ کون ہے؟"
" ایک پردیسی۔" غفور نے جواب دیا۔
" مسلمان بھی تو ہے۔" داروغہ نے سخت لہجے میں پوچھا۔
" ہاں ہے" غفور نے کہا۔" اسی لئے اس کی حفاظت کر رہا ہوں"
داروغہ بولا۔" حفاظت کر رہے ہو یا بازار میں جھگڑا کرانے لائے ہو۔"
غفور نے داروغہ کی طرف دیکھا۔ بولا۔" ایک ہندو گھرانہ بھوک سے مر رہا ہے۔ ایک مسلمان اس کے لئے سودا خریدنا چاہتا ہے۔ کیا میں اپنی حفاظت میں اسے سودا دلانے لایا تو یہ جرم ہو گیا۔"
اس کی آواز کچھ بلند ہو گئی۔
" جرم نہیں ہو گیا" داروغہ بولا۔" لیکن یہاں جھگڑا تو ہو سکتا ہے۔"

ایک بوڑھے ہندو قریب کھڑے تھے۔ بولے ۔"کیوں، ایک پردیسی سے جھگڑا کون کرے گا ؟ کیا ہم لوگوں کو آپ بھیڑیا ہی سمجھتے ہیں ۔"

داروغہ نے جل کر ان کی طرف دیکھا۔ کہا ــــ "اس گاؤں میں بھیڑیے نہ ہوتے تو ہم لوگ پریشان کیوں کئے جاتے ۔"

بوڑھا بولا ــــ "یہ ٹھیک ہے کچھ شریر نہ ہوتے تو پورا گاؤں بدنام کیوں ہوتا ۔"

رحمت بولا ــــ "آپ لوگ بلا وجہ پریشان ہیں۔ مجھے کوئی نہیں مارے گا۔ مار ڈالے تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے ۔"

"ذمہ داری تو ہم سمجھتے ہیں ۔" داروغہ بولا ــــ "تم کیا جانو۔"

رحمت نے یقین کے ساتھ کہا ــــ "جو لوگ اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں انھیں کوئی نہیں مارتا۔ ریل لڑ گئی تو بھی ہم لوگ نہیں مرے ۔" وہ ہنسنے لگا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو" داروغہ نے پوچھا۔

"لکھنؤ ضلع کا۔" رحمت نے جواب دیا۔

داروغہ نے پوچھا۔ "تمھیں کسی سے خطرہ نہیں ہے ۔"

رحمت اطمینان سے بولا ــــ "بالکل نہیں۔ میں نے کسی کا کوئی نقصان تو کیا نہیں ہے۔ دو چار دن میں کانکا کے گھر والے ٹھیک ہو جائیں گے فاقے کرتے کرتے کمزور ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد میں حج کو چلا جاؤں گا۔ کوئی مجھ سے کیوں لوے گا ؟"

"مگر ہم لوگ ذمہ دار نہیں ہیں۔" داروغہ نے کہا۔

رحمت نے جواب دیا ۔۔" میں نے کب کہا کہ آپ ذمہ داری لیں۔ ذمہ دار تو وہ ہے۔" کہہ کر رحمت نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی۔

بوڑھے منہدو بولے ۔" میں ذمہ داری لیتا ہوں۔ یہاں کوئی انھیں پریشان نہیں کرے گا۔"

داروغہ نے ان کی طرف دیکھا ۔۔" آپ کیا کرسکیں گے۔ کرتے تو یہ جھگڑا ہی کیوں ہوتا۔" کہہ کر داروغہ نے غفور کو ساتھ لیا اور کیمپ کی طرف واپس چلا گیا۔

اب اس بازار میں رحمت اکیلا ہی کھڑا تھا۔

بوڑھے بزرگ بولے ۔۔" چلو پہنچا دوں۔ آخر قصہ کیا ہے؟"

رحمت نے کھڑے کھڑے پورا قصہ بنا کر کہا۔" مجھے حج کو جانا ہے جہاز ایک ہفتہ بعد جائے گا۔" آپ سب کی دعا سے پہنچ جاؤں گا۔"

سب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ نفرت کی نگاہوں میں خلوص کی جھلک نظر آئی۔

رحمت نے سب کو سلام کیا ۔۔" اچھا اب جاؤں گا۔ انھیں کئی دن سے کھانے کو نہیں ملا ہے۔"

ایک شخص بولا ۔۔" مگر کمل بابو تو دیتے تھے۔"

دوسرے نے کہا ۔۔" وہ مجھے معلوم ہے۔ کمل بابو کا گھرانہ کسی کو کھانے کو دے گا۔"

ایک نے کہا ــــ" اس آدمی کو بھی کوئی لالچ ہے ۔"
" سی۔ آئی۔ ڈی والا بھی ہو سکتا ہے ۔" کسی نے رائے دی۔
بوڑھے آدھر...... دیکھ کر مسکرائے اور پھر رحمت کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگئے۔
رحمت نے کھانے کا سامان کالکا کے سامنے رکھا۔ مسکرا کر کہا ــــ اب پکائے گا کون ؟"

کالکا آہستہ سے بولا ۔ " رام پیاری ۔"
رام پیاری بولی لکڑی تو ہے نہیں دادا ۔"
کالکا بھڑک اٹھا ــــ بولا ــ " نہیں ہے، جب کچھ نہیں ہے تو تم سب مر کیوں نہیں گئیں کم بختو !"
رام پیاری نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے باپ کی طرف دیکھا۔
رحمت ہنسنے لگا۔ کہا ــ" کیا تم یہی دیکھنے آئے تھے کہ یہ لوگ مریں یا نہیں"
پھر جلدی سے خود ہی کہنے لگا ــــ" اب یہ بھی بتاؤ کہ لکڑی کہاں ملتی ہے ۔ لے آؤں ۔"
کالکا کی عورت لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی ۔ بولی :" لکڑی بکتی نہیں ہے ۔ تم کہاں سے لاؤ گے میاں جی ۔"
رحمت نے کہا ۔" پھر چولھا کیسے چلے گا ۔"
" ادھر ٹوٹے ہوئے بانس پڑے ہیں ۔" کالکا کی عورت نے کہا ۔" وہی اس وقت جلا لئے جائیں گے ۔"
رحمت نے اٹھتے ہوئے پوچھا ــ" مجھے بتاؤ ۔ تم لا نہیں سکو گی ۔"

مہالکا کی عورت نے تپائی کے نیچے سے ایک باسن نکالا۔" تیجے اور ٹکڑے بھی ہیں۔"

"اچھا سٹو۔" رحمت نے تپائی سرکاتے ہوئے کہا۔

اس نے کئی ٹکڑے نکال کر کہا۔" بہت ہیں۔ اتنے میں تو چھوٹی موٹی بارات کا کھانا پک سکتا ہے۔"

کالکا رحمت کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ سوچتا رہا۔ کیسا آدمی ہے۔ اس کے دل میں کیا بھرا ہے۔ کتھاؤں میں ایسے آدمی سنے تھے۔ اب آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔

"اب غصہ نہ کرنا کالکا۔" رحمت نے چولھے کے پاس لکڑیاں رکھتے ہوئے کہا۔" ان بیچاریوں نے بھی بڑے دکھ جھیلے ہیں۔"

کالکا کی آنکھوں سے کئی بوند آنسو ٹپک پڑے اس نے آہستہ آہستہ کہا۔" معلوم نہیں بھگوان نے ہم لوگوں کو کیوں پیدا کیا ہے۔ جانور بھی تو ہم سے اچھے ہیں۔"

رحمت بولا۔" اللہ کے ہر کام میں حکمت ہے کالکا۔ وہ کسی کو دکھ نہیں دیتا یہ تو آدمی ہی ہے جو اپنے ساتھ برائی کرتا ہے۔"

کالکا نے کہا۔" مگر میں نے اپنے ساتھ کیا برائی کی ہے۔"

رحمت نے کہا۔" آدمیوں نے تو تمھارے ساتھ برائی کی ہے۔"

"ہاں آدمیوں نے کی ہے۔ کالکا نے کہا۔" مہاجن نے میرے رادھے لال کو مار کر یہ سب کیا ہے۔"

رحمت نے کہا۔ اللہ نے تو اس کا حکم نہیں دیا ہے۔ اس نے تو بے گناہ کے قتل سے منع کیا ہے"

چولھے میں دھواں ہونے لگا۔ رام پیاری کٹھیلی میں آٹا گوندھنے لگی۔

کالکا کے مکان سے تھوڑا ہٹ کر چھوٹے مہتر رہتا ہے۔ قریب قریب دونوں کے گھر آمنے سامنے ہیں۔ بس بیچ میں راستہ ہے اور پھر لالہ گرچرن سیٹھ کا ایک کھیت۔ جب کالکا کے گھر سے دھواں اٹھا تو چھوٹے کی عورت پھول باسا نے ادھر دیکھا۔ شوہر سے کہا۔ "آج رِدھوا کے گھر میں چولھا جل رہا ہے۔"

چھوٹے نے جواب دیا۔ "سویرے رام پیاری کی ماں کمل بابو سے باتیں کر رہی تھی سودا ہو گیا ہوگا۔ کمل بابو ایسے شکار کبھی نہیں چھوڑتے۔"

پھول باسا جسے کم کر کے پھل باسا کہا جاتا تھا۔ بولی۔ "تمھیں کیسے معلوم ہوا۔"

"میں نے دیکھا تھا" چھوٹے بولا۔ "جب کمل بابو اکیلے میں کسی سے باتیں کریں تو سمجھ لو کہ جوانی کا سودا ہو رہا ہے۔"

پھل باسا بولی۔ "کسی پر جھوٹا الزام کیوں لگاتا ہے چھوٹے۔ وہ باپ بیٹے بڑے شریف آدمی ہیں۔"

"بڑے شریف" چھوٹے نے کھینچ کر آواز نکالی۔ "میں اسکی شرافت جانتا ہوں۔ تو مل جائے تو تجھے معلوم ہو جائے کہ وہ کتنا شریف ہے"

پھل باسا نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "جو منہ میں آتا ہے بک

دیتے ہو۔ تمہیں بات کرنا کب آئے گا؟"

چھوٹے بولا ـــ "سچ ہی تو کہہ رہا ہوں۔ تیرا سودا ابھی تو کرنے کو تیار تھا۔"

پھل باسا نے اسے دیکھا۔

"قسم سے" چھوٹے نے کہا ـــ "پرسوں مجھ سے پوچھا۔ خرچ کیسے چل رہا ہے چھوٹے۔"

میں نے جواب دیا۔ "بہت بری طرح۔"

بولا۔ "ضرورت ہو تو دوکان سے ادھار لے جاؤ۔"

میں نے کہا ـــ "اچھا لے لوں گا۔"

"بھیا حرام زادہ بولا ـــ "پھل باسا کو رہن کرنا پڑے گا۔"

بدن میں آگ لگ گئی۔ مگر میں نے ہنس کر ٹال دیا۔ وہ بدمعاش ہنسنے لگا جیسے مذاق کر رہا ہو۔"

چھوٹے نے جوش کے ساتھ کہا ـــ "گرانی آنے ہی یہ دولت والے عزت آبرو کا کھیل کھیلنے لگے ہیں۔ چار تو اسی وجہ سے بھاگ ہی گئے۔ بس یہی کا لکا دادا کی عورت رہ گئی ہے۔"

پھل باسا نے ایک سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔ "کسی دن کنٹر پھول منگانے کا راستہ معلوم ہو گیا۔"

اس نے انگڑائی لی۔

چھوٹے نے اس کی طرف دیکھا۔

"کل بابو سے کسی دن کہوں گی۔" پھل باسا مسکرا کر بولی ––– "کنر پچوال پر سودا کرنا ہو تو کرو ––"

چھوٹے نے اُٹھ کر اسے دبوچ لیا –– "یہ انگڑائی کیوں لے رہی ہے بوڑھیا"

پھل باسا نے زور کر کے اپنے کو چھڑاتے ہوئے کہا ––– "ذرا رام پیاری کے یہاں دیکھ آنے دو۔ دیکھوں کھانے کا سامان کہاں سے آیا۔"

"نہیں ––– تو نے بدن کیوں توڑا؟" چھوٹے نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔

"ابھی آکر بتاؤں گی؟" پھل باسا بولی ––– "آدھی گھڑی میں بس۔"
اور وہ چھوٹے کے ہاتھ سے نکل کر دروازے کی طرف بھاگی۔
چھوٹے اسے دیکھتا رہ گیا۔
دروازے کے پاس جا کر کہنے لگی ––––– "کنر پھول لے کر آؤں گی۔ راہ نہ دیکھنا۔"

اور قہقہہ لگا کر باہر چلی گئی۔
چھوٹے تھوڑی دیر بیٹھا رہا۔ پھر اس نے سوچا –– "کہیں سچ مچ ہی کنر پھول لینے نہ چلی جائے۔ اور وہ دروازے پر گیا۔
پھل باسا کھیت کو پار کر کے راستے پر پہونچ گئی تھی۔ راستے سے وہ مڑی اور کالکا کے گھر میں داخل ہو گئی۔
مگر چھوٹے دروازے سے ہٹا نہیں۔ اس شک پر کہ کہیں کالکا کے گھر سے نکل کر کنر پھول لینے نہ چلی جائے۔ اس کے خیال میں عورت ذات

کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔

کھل باسا نے بہت دن کے بعد کا لکا کے گھر میں جھانکا۔

کا لکا کی عورت بڑکی نے اسے دیکھا۔ غصے سے اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ وہ بھی سمجھ گئی کہ یہ ہتھرانی چولھا جلنے کا سبب معلوم کرنے آئی ہے۔ لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔

دو مردوں میں سے ایک اس نے پہچان لیا۔ دروازے کے اندر آکر کہا — "کا لکا دادا سلام۔ کب آئے؟"

کا لکا نے اس کی طرف دیکھا۔ کہا —" آج ہی۔ اچھی تو ہے کھل باسا۔ چھوٹے کہاں ہے؟"

"گھر پہ ہیں" وہ مسکرا کر بولی —" یہ معلوم ہوتا کہ تم آئے ہو تو فوراً آتے۔"

اس نے آواز کو غمگین بناتے ہوئے کہا —" بڑا دکھ ہوا دادا۔ رادھے بھیا کو...... رادھے بھیا کا بڑا دکھ ہوا ہم لوگوں کو۔"

"کیوں نہیں" کا لکا بولا — بھگوان کی یہی مرضی تھی۔"

اب بڑکی چمک کر بولی —" آج تک تو دکھائی نہیں دیں کھل باسا آج کیسے آگئیں؟"

"بس آنا نہیں ہو سکا چاچی" کھل باسا بولی —" ہر وقت کام نہ کریں تو کھائیں کہاں سے۔ گاؤں کا حال تو تم جانتی ہی ہو چاچی۔"

"وہ تو جانتی ہی ہوں" بڑکی بولی۔ مگر کسی وقت آکر دیکھ جائیں

تو کیا بیٹی تم سے کھانے کو مانگ لیتی ؟

"ارے نہیں چاچی ۔" پھل باسا بولی ۔ "ہم پرجا لوگ تمھیں کھانے کو کہاں سے دیں گے ۔ وہ سب تو لالہ دیتے ہیں ۔"

"کون لالہ ۔" بڑکی نے مشکوک نگاہوں سے پھل باسا کو دیکھا ۔

"سبھی لالہ لوگ ۔" پھل باسا بولی ۔ مگر مالک ان کے کھانے سے بچائے پھر اس نے جلدی سے کہا ۔ "ایک روٹی بڑھالینا رام پیاری ۔ تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے ۔"

"ہاں ۔" رام پیاری نے کمزور لہجے میں کہا ۔

"اب کام چل نہیں رہا ہے ۔ پھل باسا بولی ۔ "چھوٹے بھی محنت کرتے کرتے تھک گیا ہے ۔ آج نہیں ہے گیا ۔ کتنا کام کریں ۔ کام کے بعد بھی پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔"

اس کی آواز کانپنے لگی ۔

بڑکی نے بھی ٹھنڈی سانس لی پھل باسا کا دکھ سن کر اس کا غصہ کچھ کم ہوا ۔

پھل باسا بولی ۔ "مسلمانوں کے گھروں سے ہمارا کام چلتا تھا ۔ وہ چلے گئے ۔ گاؤں جیسے کاٹے کھا رہا ہے ۔ تمھارا محلہ بھی اجڑ گیا ۔ کالکا دادا سب بھاگ گئے ۔ تھوڑے دنوں میں لالہ ہی رہ جائیں گے اور کوئی اس گاؤں میں نہیں رہے گا ۔"

"کیوں ؟" کالکا نے پوچھا ۔ "کیا اور لوگ بھی بھاگنے والے ہیں ۔"

"ہاں بہت سے" کبھل باسا نے کہا ـــــ کل چودھری کمہار کو پولیس نے پکڑ لیا۔ اس پر مسلمانوں کے گھر جلانے کا الزام تھا۔ شام کو بڑی مشکل سے چھوڑا۔ مگر بھینس بک گئی۔ کمل بابو نے بھینس کا روپیہ دیا تب شام کو چھوٹ کر گھر آئے۔ بھاگنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

کالکا نے کہا ـــ "آگ لگائی ہے تو سزا ملے گی ہی۔"

پھل باسا قریب آگئی۔ بولی ـــ "سب آگ لالہ لوگوں نے لگائی ہے دادا۔ ہم لوگوں نے تو دیکھا ہی ہے۔ بیچارہ چودھری تو وہاں تھا بھی نہیں۔ جو کچھ ہوا ہے سب انھیں دگوں نے کیا ہے۔ غریب آدمی تو بلا وجہ لوٹے جا رہے ہیں۔ سب بھاگ جائیں گے۔"

اس نے رازداری کے ساتھ کہا ـــ "چودھری بھاگا نہیں کہ سب کمہار چلتے بنے۔ ایا۔ تو رہ نہیں جائے گا۔ سب جانتے ہیں کہ لالہ پولیس سے مل کر لوٹ کرا رہے ہیں۔"

"اور تو؟" بڑکی نے پوچھا۔

پھل باسا بولی ـــ "بس مجھے بھی گیا ہی سمجھو چاچی۔ کیا معلوم کس دن پولیس پکڑ لے۔ روپیہ نہیں ہے۔ عزت آبرو تو ہے۔"

اس نے چاچی کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" چاچی نے طنز کے لہجے میں کہا۔

رام پیاری بولی ـــ "رو لی ٹلے گی پھل باسا۔"

"ہاں دیدی۔" پھل باسا بولی ـــ بھگواں تھیں بہت دیں۔ ہم

غریب تو ممتیں لوگوں کی دان خیرات پر جی جاتے ہیں۔"

رام پیاری نے روٹی پر دال رکھ کر ماں سے کہا ۔" یہ دے دو اماں"

بڑکی بڑی مشکل سے اٹھی ۔ روٹی ہاتھوں میں کانپ رہی تھی معلوم نہیں کتنے وقت کے بعد روٹی ہاتھ میں آئی تھی۔ اس کی خوشبو نے بڑکی کے پورے جسم کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

" لے " اس نے ہاتھ بڑھا کر کھل باسا کے پھیلے ہوئے ہاتھوں پر روٹی پھینک دی ۔

" بھگوان اور دیں ۔" کھل باسا نے دعا دی ۔" غریب کا ایک وقت کٹ جائے گا ۔"

اور وہ سلام کر کے چلی گئی ۔

کالکا نے کئی مرتبہ ہمت کی لیکن پوچھ نہ سکا۔ وہ بڑی الجھن میں تھا۔ رحمت کیا کھائے گا؟

آخر جب کھانا پک گیا اور کوئی راستہ باقی نہیں رہا تو اس نے پوچھا۔ "تمھارے لئے کیا انتظام ہوگا میاں جی۔"

رحمت نے پوچھا ۔"کس چیز کا ۔"

"کھانے کا" کالکا بولا۔

رحمت بولا ۔" روٹی پر دال لے لوں گا ۔"

کالکا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا ۔ پھر بولا ۔" ہم لوگ چار ہیں میاں جی ۔"

رحمت مسکرا کر کہنے لگا ۔ "تو کیا ہوا ۔ سب آدم کی اولاد ہیں ہم چھوت چھات نہیں مانتے کالکا۔"

اس نے رام پیاری سے کہا ۔ بٹیا ۔ لا ۔ روٹی پر دال رکھ کر مجھے بھی دے دو۔ بس دو روٹیاں دیجیو ۔"

رام پیاری نے اپنے باپ کی طرف دیکھا ۔

کالکا دکھ بھرے لہجے میں بولا ۔ "کوئی برتن نہیں ہے رام پیاری کی ماں ۔"

اس نے آہستہ سے جواب دیا "نہیں ۔"

"وہ آجائیں گے ۔" رحمت بولا ۔ "پہلے کھالو ۔ پھر دوسری باتیں ہوں گی ۔ رام پیاری اپنے دادا کو بھی دے ۔" سبھی نے روٹیوں پر دال رکھ کر الگ الگ کھانا شروع کر دیا ۔

اُدھر پھل باسا بھی رام پیاری کی روٹی لے کر گھر گئی ۔ بولی ۔ "آج خوب روٹی پک رہی ہے کالکا آیا ہے ساتھ میں ایک جوان کو بھی لایا ہے"

چھوٹے نے پوچھا ۔ "جوان کیسا ؟"

پھل باسا بولی ۔ "معلوم ہوتا ہے رام پیاری کا ہاتھ اسی کو پکڑا دیگا"

"تو نے رام پیاری سے کسی دن نہیں کہا" چھوٹے بولا ۔ "یہ لونڈیا بھی نکل جائے گی ۔"

پھل باسا نے اس کی طرف دیکھا ۔ کہا ۔ "یہی شوق تھا تو مہتر کے گھر کیوں پیدا ہوئے ۔ کسی لالہ مہاجن کے یہاں جنم لیا ہوتا ۔ بھنگی سے عشق

بازی کرنے کے لئے کون عورت راضی ہو گی۔ کوئی بھنگن ہی ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔"

چھوٹے بولا ــ"تیرے لئے تو مہاجن کا لڑکا مرا جا رہا ہے۔"

"وہ اور بات ہے۔" پھل باسا بولی ــ"اس میں راجہ بابو لوگوں کی عزت نہیں جاتی۔"

چھوٹے کچھ ٹھہر کر بولا ــ"کبھی کبھی بھگوان پر بڑا غصہ آتا ہے۔ انھوں نے ہمیں لوگوں کو اتنا نیچ کیوں بنایا۔ ہم نے ان کی کیا خطا کی تھی؟"

پھل باسا نے ٹھنڈی سانس لی۔

پھر کہنے لگی ــ"کبھی اپنا چہرہ شیشے میں دیکھتی ہوں تو دل کہتا ہے کہ اگر بھنگن نہ ہوتی تو کسی بڑے گھر میں مجھے بھی جگہ مل جاتی۔"

چھوٹے نے اسے ہاتھ پکڑ کر کھینچا ــ"محلوں کے خواب نہ دیکھ بلکہ ہم لوگ جھونپڑوں ہی میں اچھے ہیں۔"

"مگر ہاتھ تو چھوڑ دو۔" پھل باسا نے مسکرا کر کہا۔

غریبی، فرقہ پرستی، نفرت اور ظلم وجبر کے اس ماحول میں بھی محبت اور انسانیت کے پھول کھل رہے تھے۔ حالانکہ ان کی خوشبو بہت کم تھی۔ اتنی کہ ایک مہتر اور ایک چمار کے گھر سے باہر نہیں نکل رہی تھی۔

چھ ـــ!

● جب کالکا کے گھر میں کھانا ہو چکا، تو اس کی بیوی اور بیٹی فرش پر لیٹ گئیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں بری طرح سنسنانے لگے تھے۔

رحمت نے ایک مرتبہ ان کی طرف دیکھا۔ پھر کالکا سے کہا۔"اسپتال کہاں ہے؟"

"دو میل دور ہے۔" کالکا بولا ـــ "مگر اب مجھے پہلے کی ایسی تکلیف نہیں ہے۔"

رحمت نے کہا۔"تکلیف نہ ہو تو بھی ڈاکٹر کو دکھانا ہی ہوگا۔"

کالکا کچھ ٹھہر کر بولا ـــ "وہاں جانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

رحمت نے پوچھا ـــ"کوئی گاڑی کرایہ پر نہیں ملے گی۔"

کالکا نے جواب دیا ـــ "مل تو سکتی ہے۔ مگر جانے کی ضرورت نہیں ہے"

رحمت نے پوچھا۔"ڈاکٹر یہاں نہیں آسکتے؟"

"آتے ہیں۔" کالکا نے کہا ـــ "دس روپیہ فیس لیتے ہیں۔"

"کوئی جاننے والا مل جاتا ۔" رحمت نے کہا ۔۔ "تو ہمیں بلا لئے جاتے ۔"

کالکا نے آہستہ سے کہا ۔۔ "کوئی نہیں ملے گا ۔ ایسے ہی اچھا ہو جاؤنگا۔"

رحمت خاموش ہو گیا ۔ دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں رات بھر وہ بھی نہیں سویا تھا ۔ اب نیند آ رہی تھی ۔ ایک لمحہ آنکھیں بند رکھنے کے بعد اس نے کہا ۔۔ " اگر ڈاکٹر دیکھ لیتا تو میں بھی چلا جاتا ۔"

کالکا نے اس کی طرف دیکھا ۔ مگر کوئی جواب نہیں دیا ۔

اس کی بیوی نے کروٹ لے کر کہا ۔۔ "چھوٹے مہتر ڈاکٹر کو لینے جا سکتا ہے ۔"

کالکا بولا ۔۔ "وہ نہیں جائے گا ۔"

مگر رحمت نے آنکھیں کھول کر لڑکی سے پوچھا ۔۔ "وہ کہاں رہتا ہے ؟"

"سامنے والے گھر میں" ۔۔ لڑکی بولی ۔۔ " ابھی جو مہترانی آئی تھی اس کا آدمی ہے ۔"

رحمت نے کالکا کی طرف دیکھا ۔ وہ بھی آنکھیں بند کئے پڑا تھا نیند اس کی بھی پوری نہیں ہوئی تھی ۔ کھانا کھانے کے بعد نیند کا غلبہ تھا ۔

رحمت نے آنکھیں بند کر لیں ۔

تھوڑی دیر کے بعد جب اس نے دیکھا کہ کالکا سو گیا ہے تو وہ آہستہ سے اٹھا اور باہر نکل گیا ۔

چھوٹے کے دروازے پر جا کر اس نے آواز دی ۔۔ "چھوٹے گھر میں ہو ؟"

دونوں لرز گئے۔ کہیں پولیس نہ آگئی ہو۔
چھوٹے نے آہستہ سے پھل باسا سے کہا "جاکر دیکھ کون ہے، پولیس ہو تو کہہ دیجیو نہیں ہے۔ میں پیچھے سے دیوار پھاند جاؤں گا۔"
پھل باساڈر تے ڈرتے دروازے کے پاس گئی۔ اس نے جھانک کر دیکھا رحمت کو دیکھ کر جان میں جان آئی۔ بولی "کیا ہے جی؟"
رحمت مسکرا کر بولا "تم ابھی کا لکا کے یہاں گئی تھیں نا۔"
"ہاں۔" پھل باسا بھی مسکرائی "تم کہاں سے آئے ہو؟"
"بہت دور سے۔" رحمت نے کہا "بات یہ ہے کہ کا لکا کے پاؤں میں چوٹ ہے۔ ڈاکٹر کو بلانا ہے۔ اگر چھوٹے چلا جائے تو دو روپیہ مزدوری مل جاتی۔"
"کیا کرتا ہوگا؟" پھل باسا نے پوچھا
اتنے میں چھوٹے بھی آگیا۔ اس نے سامنے آکر پوچھا "کیا بات ہے؟"
پھل باسا بولی "یہ کا لکا دادا کے مہمان ہیں۔ ڈاکٹر بلانے کے لئے کہہ رہے ہیں۔"
رحمت نے کہا "دو روپیہ تم لے لو اور دس روپے ڈاکٹر کی فیس لیکر چلے جاؤ۔" کا لکا کے پاؤں میں بڑی تکلیف ہے۔"
"کیا ہوا ہے؟" چھوٹے نے پوچھا۔
"ریل میں چوٹ لگ گئی ہے" رحمت بولا "ڈاکٹر کے یہاں

جا نہیں سکیں گے ۔"

"چلو انھیں دیکھ بھی لوں ۔" چھوٹے بولا ۔۔ "مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ آئے ہیں ۔"

رحمت نے روپئے جیب سے نکال کر چھوٹے کو دیتے ہوئے کہا ۔ "ابھی تو وہ سو گئے ہیں ۔ پھر دیکھ لینا ۔ یہ لو ۔ بارہ روپئے ۔"

چھوٹے نے روپئے لے لئے ۔

رحمت نے کہا ۔۔ "ابھی چلے جانا ۔ رات کو چوٹ لگی تھی ۔ ابھی تک دوا نہیں لگی ہے ۔"

"بس جا ہی رہا ہوں ۔" چھوٹے بولا ۔۔ "مگر ڈاکٹر صاحب کو آٹھ روپئے دے کر لے آؤں تو دوا اور میرے ہو جائیں گے ۔" وہ مسکرایا ۔

رحمت نے ہنستے ہوئے کہا ۔۔ "تم پانچ دیکر پانچ خود لے لو ۔ ہمیں تو ڈاکٹر چاہیئے ۔"

اس نے گھر جاتے ہوئے کہا ۔۔ "اب آپ جائیے ۔ ایک گھنٹہ میں لے کر آتا ہوں ۔"

رحمت چلا گیا ۔ دیکھا کہ گھر کے سب لوگ غافل پڑے ہیں ۔ اس نے باری باری سب کے چہرے دیکھے ۔۔ زرد اور بے رونق چہرے جن پر موت منڈلا رہی تھی ۔

دیوار سے ٹیک لگا کر وہ بیٹھ گیا ۔ رام پیاری کے جوان چہرے کو اس نے کئی مرتبہ دیکھا لیکن اس چہرے پر جوانی کی چمک کا کہیں پتہ نہ تھا ۔

ایک ٹھنڈی سانس لیکر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ آنکھیں بند کیں تو سو بھی گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا قبرستان تھا۔ لیکن اسی چھوٹے سے گاؤں میں دھرم کے بڑے بڑے رکھوالے موجود تھے۔ چھوٹے اور بے ایمان جو نام دھرم کا لیتے تھے لیکن تھے بڑے ہی بے دھرم۔

چھوٹے کمل کی دوکان کے سامنے سے نکلا۔

"او چھٹوا۔" کمل نے اسے آواز دی۔

چھوٹے رک گیا۔ اسے کمل سے بڑی نفرت تھی۔

"کہاں جارہا ہے؟" کمل نے پوچھا۔

"ڈاکٹر کو لینے۔" چھوٹے مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟" کمل نے پوچھا "کیا کھیل با سا کے ....." وہ مسکرایا۔

چھوٹے نے روکھی ہنسی ہنستے ہوئے کہا "کالکا دادا آئے ہیں نا۔ ان کے پاؤں میں چوٹ ہے۔ ڈاکٹر لینے جارہا ہوں۔"

"ڈاکٹر؟" اس نے تعجب کے ساتھ کہا "کیا بہت رقم لے کر آیا ہے۔"

"کیا معلوم راجہ جی۔" چھوٹے نے جواب دیا "جب پندرہ روپئے دیکر ڈاکٹر کو بلایا ہے تو روپیہ لایا ہی ہوگا۔"

چھوٹے نے اسے جلایا۔

"پندرہ روپیہ۔" کمل نے تعجب کیساتھ کہا "دس روپئے تو ہم لوگ

دیتے ہیں۔ کیا وہ چمار کا بچہ ایک مرتبہ بلا کر ڈاکٹر کا ریٹ بگاڑ دے گا۔"
چھوٹے نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔" مجھ سے کہا ۔۔۔ ارجنٹ بلا لا۔ پانچ روپئے ارجنٹ کے دیئے ہیں۔"
کمل بولا۔۔۔ نیچ ذات ذرا میں سر پہ چڑھنے لگتی ہے۔ ابھی کل اس کی بیوی پانچ روپیہ مانگ کرے گئی ہے۔ بے غیرت۔ کہتی تھی، بیس روپئے میں لڑکی کو رکھ لو۔ آج پندرہ روپئے میں ڈاکٹر بلا رہا ہے کسی وقت جا کر اپنے پانچوں روپیہ چھین لوں گا۔"
چھوٹے نے کہا ۔۔۔" بیس روپیے میں مہنگی تو نہیں تھی راجہ جی۔
کمل بولا ۔۔" گندی سوکھی لکڑی ۔۔ ایک مہینہ تو خالی کھلانا پڑتا۔ پچاس روپئے کے کپڑے ہو جاتے۔ کہیں سو روپئے میں جا کے پڑتی۔ مہنگی نہیں تھی۔"
پھر مسکرا کر بولا ۔۔۔" تو سودا کرے تو اب بھی تیار ہوں۔"
چھوٹے بولا ۔۔ اس کا دل جل گیا تھا ۔۔" میں تو کر لیتا مگر وہ سسری تو دلیپ بابو کے پھندے میں پھنسی ہوئی ہے۔ کہتی ہے ۔۔ وہ دن آنے والا ہے جب مہاجنوں کی بیٹیاں مہتروں کے یہاں کام کریں گی۔"
اتنا کہہ کر چھوٹے آگے بڑھا۔
کمل نے دلیپ کو کئی گالیاں دیں۔ کہا ۔۔ بھاگ نہ گیا ہوتا تو دو ہی سالی کو بھجواتا۔ سب لیڈری دھری رہ جاتی۔"
چھوٹے دل ہی میں ہنستا ہوا چل دیا۔ اس نے اچھا بدلہ لیا تھا۔

بڑی مشکل سے ڈاکٹر آنے کو راضی ہوا۔ وہ جھگڑے کے اس گاؤں میں آکر عدالتوں میں گواہی شہادت دینا نہیں چاہتا تھا۔ پھر ایک زخمی کا علاج کرنا تو اور بھی خطرناک تھا۔ کیا معلوم گاؤں کے جھگڑے ہی میں چوٹ آئی ہو۔ لیکن چھوٹے نے خوشامد کرکے اسے راضی ہی کر لیا اور دو روپیے بھی مار دیئے۔ کہا ۔۔۔ "ڈاکٹر صاحب اس کے پاس ایک وقت کا کھانا بھی نہیں ہے۔ آپ گھر کو دیکھ کر میری بات کا یقین مان لیں گے۔ بالکل کنگال ہے برتن بیچ کر فیس بھیجی ہے۔"

ڈاکٹر سائیکل پر نیر نگ پور آیا۔ چھوٹے نے بڑی لمبی دوڑ لگائی وہ بھی ڈاکٹر کے ساتھ پہونچنا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر پہلے پولیس کے داروغہ کے پاس گیا۔ داروغہ نے انھیں عزت کے ساتھ بٹھایا۔ "کیسے آئے ڈاکٹر صاحب؟"

ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔ "کوئی کالکا چمار ہے جو ریل سے چوٹ کھاکر آیا ہے۔"

"جی ہاں آیا تو ہے۔" داروغہ نے کہا ۔۔۔ "اس کا لڑکا جھگڑے میں قتل ہو گیا ہے۔ وہ کانپور میں ملازم تھا۔ آج سویرے آیا ہے۔ ٹرین کے ایکسیڈنٹ میں ہو سکتا ہے چوٹ لگ گئی ہو۔ ہمارے یہاں کوئی رپورٹ تو ہے نہیں۔"

ڈاکٹر نے پوچھا ۔۔۔ "اس کے علاج کرنے پر آپ کو اعتراض تو نہیں ہے۔"

"ابھی تو نہیں ہے۔" داروغہ نے جواب دیا ——— "بعد میں کچھ افسروں کی طرف سے لکھ کر آجائے تو نہیں کہہ سکتا۔"

ڈاکٹر نے پوچھا ——— "گاؤں کے جھگڑوں سے تو اس کا تعلق نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔" داروغہ نے جواب دیا ——— "وہ تو آج ہی آیا ہے جھگڑے سے تعلق کیوں ہو گا۔"

ڈاکٹر نے اٹھتے ہوئے کہا ——— "کیا اتنی مہربانی کریں گے کہ مجھے اس کے گھر پہونچا دیں۔"

جی ہاں۔" داروغہ نے کہا ——— "آدمی آپ کے ساتھ کئے دیتا ہوں۔"

پھر آواز دی ——— "کوئی چوکیدار ہے؟"

"حاضر حضور۔" ایک چوکیدار غلاموں کی طرح جھپٹ کر آیا۔

"انھیں چاروں کے محلے میں لے جا" داروغہ نے ڈانٹ کر کہا ——— "کالکا چمار کا گھر پوچھ لیجو۔"

"اچھا سرکار۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا "چلئے"

یہ رومن غلاموں کی طرح اطاعت کرنے والا چوکیدار بھی ۱۹۶۰ء میں بھارت ماتا کا ایک فرزند تھا۔

چھوٹے دروازے پر پہونچا ہی تھا کہ ڈاکٹر صاحب بھی پہونچ گئے۔

ڈاکٹر نے پوچھا ——— "کوئی سواری مل گئی کیا؟"

چھوٹے مسکرا کر بولا ——— "سواری پر تو گیا ہی تھا۔"

"کہاں ہے؟" ڈاکٹر نے مسکرا کر پوچھا۔

"چھوٹے نے پاؤں چھو کر کہا — "یہ کیا ہیں۔ ہم غریب لوگ انھیں پر بھروسہ کرتے ہیں ڈاکٹر صاحب"۔

"مضبوط اور تیز سواری ہے۔" ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں جاؤں سرکار" چوکیدار نے پوچھا۔

"ہاں جاؤ۔" ڈاکٹر نے حکم دیا

چوکیدار چلا گیا۔

چھوٹے نے انھیں لے جاکر کالکا کے دروازے پر کھڑا کر دیا — "یہ دیکھئے ڈاکٹر صاحب۔ نہ دیواریں ہیں اور نہ دروازہ۔ اندر کی حالت اور خراب ہے آئیے اندر چلے آئیے۔"

پھر اس نے دروازے میں سر ڈال کر کہا — "ڈاکٹر صاحب آرہے ہیں"۔

کالکا نے گھبرا کر رحمت کی طرف دیکھا۔ "ڈاکٹر صاحب کیسے آگئے؟"

"آئیے!" رحمت نے پکار کر کہا۔

چھوٹے کے پیچھے پیچھے ڈاکٹر صاحب اندر داخل ہوئے۔

رام پیاری آڑ میں کھڑی ہو گئی۔ بڑکی نے پھٹے ہوئے چادر کا گھونگھٹ نکال لیا۔

ڈاکٹر نے دیکھا گھر میں کچھ نہیں ہے۔ نہ چارپائی نہ کرسی نہ بیٹھنے کی کوئی اور چیز۔ گھر والے پھٹی ہوئی دری پر گذر کر رہے ہیں۔

کالکا سیدھا ہو گیا۔

"کس کے چوٹ ہے" ڈاکٹر نے پوچھا۔
"میرے" کالکا بولا — رات کو ریل لڑ گئی۔ میں جاکر باہر گرا۔ ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ڈاکٹر صاحب"
اس نے ٹانگ پر سے کپڑا اٹھایا۔ کافی ورم آگیا تھا۔
ڈاکٹر نے ٹانگ کو دبا کر دیکھا۔ پھر ہلا جلا کر دیکھا۔ اس کے بعد کہا "ٹوٹی تو نہیں ہے۔"
"سچ ڈاکٹر صاحب" کالکا نے کہا۔
"ہاں" ڈاکٹر صاحب نے کہا — "بچ گئی۔ دو ایک دن میں ٹھیک ہو جاؤ گے۔"
پھر پوچھا — اسٹیشن تو یہاں سے ۱۰ میل دور ہے۔
"ہاں ڈاکٹر صاحب۔"
"پھر آئے کیسے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔
کالکا نے رحمت کی طرف دیکھا — "یہ اٹھا لائے۔ بھگوان نے اپنی طرف سے انھیں بھیج دیا۔"
"یہ بھی یہیں رہتے ہیں" ڈاکٹر نے پوچھا۔
"نہیں ڈاکٹر صاحب" — کالکا بولا — "یہ بہت دور رہتے ہیں۔ اسی گاڑی میں یہ بھی تھے۔ بیچارے حج کو جا رہے تھے۔"
ڈاکٹر نے رحمت کی طرف دیکھا — "کیا تم مسلمان ہو؟"
"جی ہاں" رحمت نے جواب دیا۔

ڈاکٹر نے تاکید کی ــــ "ذرا سنبھل کر رہنا۔ یہاں کی فضا اچھی نہیں۔ گاؤں کے سب مسلمان بھاگ گئے ہیں۔ یہ تو معلوم ہی ہوگا۔"

"ہاں معلوم ہے"۔ رحمت نے جواب دیا۔ "کل پرسوں تک چلا جاؤں گا۔"

"کہاں؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"حج کے لئے بمبئی۔" رحمت نے جواب دیا ــ "وہاں سے جہاز ملے گا۔"

ڈاکٹر نے پوچھا ــ "کیا انھیں پہونچانے کے لئے اتر پڑے تھے؟"

"جی ہاں۔" رحمت نے مختصر جواب دیا۔

لیکن کالکا بولا ــــ "ڈاکٹر صاحب یہ تو پوری کہانی ہے۔ اسی ریل میں یہ بھی تھے۔ ان کا سامان بھی اسی میں رہ گیا۔ میرے چوٹ لگ گئی تھی ــ اندھیری رات میں پٹری پر پڑا تھا۔ تھوڑی دیر میں ریل کے قلی آتے اور مجھے اٹھا کر بھٹی میں ڈال دیتے۔ وہ لوگ زخمیوں کو بھٹی میں جلا دیتے ہیں۔ میں نے ان سے رو رو کر کہا کہ مجھے اٹھا کر باہر کھیت میں ڈال دو۔ بھگوان نے ان کے من میں دیا ڈال دی۔ یہ کرایہ کی بیل گاڑی کر کے یہاں لے آئے میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ یہی سب خرچ کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر نے رحمت کی طرف دیکھا۔

رحمت کا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا تھا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ بولا ــــ "ڈاکٹر صاحب ان پر تو کوئی احسان نہیں ہے۔ اگر اللہ نے یہ نیکی قبول کر لی تو ثواب مجھی کو ملے گا۔ تھوڑی سی خدمت کرنے کا اللہ بہت زیادہ معاوضہ دیتا ہے۔"

ڈاکٹر نے اس کی اس بات کا جواب نہ دیکر کہا ۔" تم نے بہت بڑا کام کیا ہے ۔ سب آدمی یہ کہاں سوچتے ہیں ۔"

پھر انھوں نے پوچھا ۔" کیا کام کرتے ہو ؟"

" کھیتی کرتا ہوں " رحمت نے جواب دیا ۔

" پڑھے لکھے ہو ؟ " ڈاکٹر نے پوچھا

" بہت زیادہ نہیں ۔" رحمت نے مسکرا کر جواب دیا ۔" اردو لکھ پڑھ لیتا ہوں اور بس ۔ ہم لوگوں کو زیادہ پڑھنے کا موقع ہی کہاں ملتا ہے ۔"

ڈاکٹر نے ایک ٹھنڈی سانس لی ۔

پھر اپنے بکس کو کھول کر کھلانے اور لگانے کی دوا دی ۔ کہا :" گھبرانے کی بات نہیں ہے ۔ موچ آگئی ہے ۔ دو چار دن میں ٹھیک ہو جائے گی ۔

کالکا بولا ۔" بھگوان کریں ایسا ہی ہو ڈاکٹر صاحب ۔ میرے لڑکے کو مار ڈالا ۔ گھر کی ایک ایک چیز بکوالی ۔ یہ میاں نہ آجاتے تو ہم لوگ اب تک مر چکے ہوتے ۔ میں کھیتی میں ڈال دیا جاتا ۔ اور میری بیوی اور لڑکی بھوک پیاس سے مر گئی ہوتیں ۔"

رحمت نے اس کی طرف دیکھ کر کہا ۔" کالکا بھائی بار بار اسی بات کو نہ دہراؤ ۔"

" زندگی بھر دہراؤں گا ۔" کالکا زور سے بولا ۔" دھرم کے جھوٹے رکھوالوں نے میرا گھر اجاڑ دیا ۔ کیا یہ بات کہنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا ۔"

"کس نے ؟" ڈاکٹر صاحب نے پوچھا۔
" یہاں کے مہاجنوں نے ؟" کالکا نے کہا ـــ " انھوں نے بیرے رادھے لال کو مار ڈالا۔ اچھا ہو جاؤں گا تو پوچھوں گا۔"
اسی وقت دروازے پر کسی نے پکارا ـــ " کالکا کی عورت باہر آؤ۔"
"کون ہے ؟" کالکا زور سے بولا
" میں چوکیدار۔" جواب ملا ـــ " بڑے صاحب آئے ہیں بیان لیں گے۔"
کالکا نے کہا ـــ " اندر چلے آؤ۔ یہاں پردہ نہیں ہے ۔"
ایک لمحہ بعد ایس۔ پی اور تھانے دار اور کئی سپاہی اندر آگئے۔
ڈاکٹر صاحب نے اپنا بکس بند کیا۔ پولیس افسر سے صاحب سلامت کی اور کالکا سے بولے ـــ " یہ فیس کے روپے رکھ لو۔ غریب آدمی ہو ـ کھانے پینے کا انتظام کرنا۔"
اور انھوں نے روپئے کالکا کے ہاتھ میں دے دیئے ۔
داروغہ نے کہا ـــ " تم کالکا ہو ؟"
" جی ہاں !" وہ بولا ۔
" کانپور سے آج ہی آئے ہو۔"
" جی ہاں ۔"
داروغہ نے کہا ـــ " اپنی عورت سے رادھے لال کے قتل کے بارے میں بیان دینے کو کہو۔"
کالکا نے مضبوط لہجے میں کہا ـــ " رادھے لال کی ماں ۔ جو کچھ دیکھا

ہے سچ سچ کہدو ۔"

کالکا کی بیوی نے گھونگھٹ کی آڑ سے کہا ۔" رادھے لال کو لالہ مول چند مہاجن کے نوکر نے چاقو مارا ۔ رادھے لال دروازے پر گر کر مر گیا۔"

"کیا ؟" داروغہ نے تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا ۔

پھر پوچھا ۔" جو رپورٹ میں لکھایا ہے وہ بیان کر ۔"

بڑھی بولی ۔" وہ تو کمل بابو نے لکھایا تھا ۔ سچی بات یہی ہے ۔"

ایس پی نے مداخلت کی ۔" رپورٹ میں کیا لکھایا ہے ۔"

داروغہ نے جلدی جلدی کاغذ پلٹ کر رپورٹ سنائی ۔" ملزمان امجد ولد احمد حسین، علی بخش ولد محمد بخش اور ظہور احمد ولد نبی احمد میرے دروازے پر آئے ۔ میرے لڑکے رادھے لال کو پکارا ۔ جب وہ دروازے پر گیا تو ملزمان امجد و علی بخش نے اسے پکڑ لیا اور ظہور احمد نے سینے پر چاقو مار کر گرا دیا ۔ کہا کہ گاؤں کے سب ہندوؤں کو اسی طرح قتل کر ڈالیں گے ۔"

ایس ۔ پی نے بھاری لہجے میں پوچھا ۔" یہ رپورٹ تو نے نہیں لکھائی تھی ۔"

" نہیں سرکار ۔" بڑھی بولی ۔" یہ سب تو کمل بابو نے لکھایا تھا ۔ مجھ سے کہا تھا یہی کہنا ۔"

" پھر کیوں نہیں کہتی ۔" ایس ۔ پی نے جیسے ڈانٹا ۔

کالکا بولا ۔" آپ نے تو سچ کہنے کو کہا تھا ۔ سچ یہی ہے کہ میرے

بیٹے کو لالہ مولچند کے نوکر نے مارا ہے"

پھر اس نے جھوٹی رپورٹ کیوں لکھائی " داروغہ چیخا " اسے سزا ہو جائے گی۔"

" ہو جائے۔" کالکا بولا ــــ " مگر بے گناہوں کو ہم لوگ نہیں پھنسائیں گے ــ"

داروغہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا ــــ یہ تیری بدمعاشی ہے۔ وہی کہنا ہوگا۔ جو رپورٹ میں لکھا ہے "

کالکا نے خاموشی کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بولا ــ" یہ تو بڑی زبردستی ہے۔ میرا لڑکا مارا گیا اور مجھی سے کہا جاتا ہے کہ قاتل کا نام نہ لو۔ ہے بھگوان یہ سب کیا ہے ؟"

وہ رونے لگا۔

داروغہ کچھ کہنے والا تھا لیکن ایس پی نے کہا "چلو"

خون کی نگاہوں سے کالکا کو دیکھتا ہوا داروغہ ایس۔ پی کے پیچھے پیچھے باہر چلا گیا۔

کالکا نے آنکھیں پونچھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب سے کہا ــ" آپ دیکھ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب۔ بھلا میں قاتل کو چھوڑ کر بے گناہوں کو کیسے موت کی سزا دلاؤں۔ بھگوان کیا کہیں گے۔"

ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ آہستہ سے کہا "ہرگز جھوٹ نہ بولنا۔ کسی کو موت کی سزا دلانے کے لئے جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے"

کالکا نے کہا ۔۔۔ " اور آپ سن لیجئے گا کہ میں نے اپنے بیٹے کا بدلہ لے لیا بس مجھے اچھا کر دیجئے ۔ مول چند شاہ کے گھر کا چراغ گل نہ کر دیا تو کالکا ریداس نہیں ۔"

ڈاکٹر نے کہا ۔۔۔ " نہیں بدلہ کبھی نہ لو ۔ یہ کبھی اچھا نہیں ہے ۔ معاف کر دینے سے بھگوان خوش ہوتے ہیں ۔ کالکا ۔"

کالکا جوش کے ساتھ بولا ۔۔۔۔ نہیں ڈاکٹر صاحب ۔ معاف نہیں کروں گا ۔ میرا رادھے لال دسواں پاس تھا ۔ آپ اسے دیکھتے تو خوش ہو جاتے ایسا سجیلا نوجوان تھا کہ دیکھتے ہی رہ جاتے ۔"

اس کی آواز حلق میں اٹک گئی ۔

ڈاکٹر نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور چلتے ہوئے کہا ۔ "تکلیف کم نہ ہو تو پھر بلا لینا ۔"

رحمت بولا ۔ " مگر فیس تو رکھ لیجئے ڈاکٹر صاحب ۔"

ڈاکٹر صاحب مسکرا کر بولے ۔۔۔ " رحمت میاں ، کیا سب کچھ تمہیں لے لینا چاہتے ہو ۔ آخر مجھے بھی تو ثواب کمانے کی ضرورت ہے ۔"

اور وہ تیزی کے ساتھ باہر چلے گئے ۔

—— ختم ——

سات

● اس دن شام کو کالکا کی برادری کے دو آدمی اُس کے گھر آئے۔

"کون ہو۔" دروازے پر آواز سن کر کالکا نے پوچھا۔

"لچھمن" جواب ملا۔

"رام پیاری کی ماں۔ کالکا نے گھبرا کر کہا ـــــ "لچھمن بھائی آگئے اب کیا ہوگا۔"

رام پیاری کوٹھری کے اندر گھس گئی۔

"ہوگا کیا؟" لڑکی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا ـــ "بیٹھیں بلاتی ہوں"

"مگر بٹھائے گی کہاں۔" کالکا بولا۔

"جب نہیں ہے تو کیا کروں" وہ کمزور قدموں سے دروازے کی طرف بڑھی۔

"کون ہے؟" رحمت نے کالکا سے پوچھا۔

کالکا نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا — "ان کے یہاں رام پیاری کی بات پکی ہو چکی ہے ۔"

رحمت نے کچھ کہا نہیں ۔ مگر اسے بھی دکھ ہوا ۔ پھٹی دری کے ایک ٹکڑے کے سوا گھر میں کچھ بھی نہیں تھا ۔

لچھمن اور اس کے گاؤں کا ایک آدمی دونوں گھر میں داخل ہوئے ۔

"رام رام لچھمن بھیا" کالکا نے مسکرانے کی کوشش کی ۔

"رام رام بھائی رام رام" لچھمن نے ہاتھ ملا کر سلام کیا ۔

ادھر بیٹھو" کالکا نے دری کی طرف اشارہ کیا — آج ہی آیا ہوں بھیا ۔ گھر کی حالت خراب ہے ۔ رادھے لال کا سنا ہی ہوگا ۔ پولیس نے الگ سے لوٹ لیا ۔ کانپور سے جو کچھ لایا تھا وہ سب ریل میں رہ گیا ۔ یہ دیکھو ریل میں ٹانگ بھی ٹوٹ گئی ۔"

کالکا نے جلدی جلدی اپنی مصیبت کی سب باتیں بیان کر دیں ۔

لچھمن بولا — "آج ہی پال سنگھ نے بتایا ۔ وہ تمھیں گاڑی پر لائے تھے نا بھائی ۔ دریا پور کے پال سنگھ ۔"

"ہاں ہاں" کالکا بولا — "وہی تو پہونچا گئے ہیں ۔ ٹھاکر کی گاڑی نہ مل جاتی تو گھر پہونچنا بھی مشکل ہو جاتا ۔"

رحمت اٹھا اور ٹہلتا ہوا باہر چلا گیا

اس لئے آنا ہوا کالکا بھیا" لچھمن بولا — کہ تمہاری حالت ابھی سدھرے گی نہیں ۔ پھر لڑکی کو لیکر کیوں بیٹھو ۔ اگر اچھا سمجھو تو ...."

" ہاں وہ تو ٹھیک ہی ہے۔" کالکا بولا ۔۔۔ " مگر ماں باپ کی بھی تو اچھا ہوتی ہے کہ اپنی لڑکی کو کچھ دے کر بدا کریں۔ ذرا ٹھہر جاؤ، چلنے پھرنے لگوں تو کچھ دے دلا کر بدا کر دوں گا۔"

" چیز یہ ہے۔" لچھمن نے کہا ۔۔۔ " دینے دلانے کی امید تو رکھو نہیں بھائی۔ کہاں سے لاؤ گے۔ پورا گاؤں تو بھاگ گیا کوئی برا در رہ گیا ہے بھلا؟ گاؤں کی جو حالت ہے وہ بھی جانتے ہو۔ پھر لڑکی کو کیوں بٹھاؤ گے میں تھوڑا بہت سامان لے آؤں گا وہی دے کر بدا کر دینا۔"

کالکا کا سر شرم سے جھک گیا۔ اس نے لچھمن کی طرف دیکھا۔ آنسو ٹک کو روکا اور کہا ۔۔۔ " اب اتنا بے عزت نہ کرو لچھمن بھائی۔"

لچھمن بولا ۔۔۔ " اس میں بے عزتی کی کیا بات ہے؟"

" ہے کیوں نہیں؟" کالکا نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا ۔۔۔ " لڑکی بیچنے سے اچھا تو یہ ہے کہ اسے کنوئیں میں ڈال دوں۔"

کالکا نے بھاری لہجے میں کہا ۔۔۔ " ایسی باتیں کر کے مجھے بے عزت نہ کرو لچھمن بھائی۔ لڑکی تمھارے لڑکے کو دوں گا۔ مگر ذرا صبر کرو۔"

" کتنے دن۔" لچھمن بولا۔

" بس اگہن تک۔" کالکا بولا ۔۔۔ " ابھی دو بیگھہ زمین ہے۔ کچھ نہ کچھ تو پیدا ہی ہو گا۔ آیا ہوں تو کچھ انتظام کروں گا ہی۔"

اسی وقت دروازے پر کمل بابو نے آواز دی ۔۔۔ " کالکا کیا میں آؤں۔"

کالکا بولا۔ "آؤ، کون ہو۔"
کمل اندر آگیا۔
کالکا کا چہرہ نفرت سے بدل گیا۔ اس نے سلام الام کچھ نہیں کیا۔
"یہ تم لوگ کیا کہہ رہے ہو؟" کمل بابو نے غصے کے ساتھ پوچھا۔
"کیا؟ کالکا نے کہا۔
"داروغہ جی سے کیا کہا ہے؟" کمل نے چیخ کر کہا۔ "میرا نام لیا تو گھر پھنکوا دوں گا۔ جیل میں سڑوا ڈالوں گا۔ تو نے سمجھا کیا ہے چمار کے بچے۔"

مہمانوں کے سامنے کمل کا گرجنا کالکا کو اچھا نہیں لگا۔ وہ بھی سخت لہجے میں کہنے لگا۔ "کیا جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ میرے رادھے لال کو مارا نہیں ہے؟"

"تو رپورٹ کیوں نہیں لکھوائی۔" کمل چیخا۔ "اب جھوٹ کیوں بلوا رہا ہے۔ بڑھیا کو جیل بھجوائے گا کیا۔ وہ مسلمان تیرے باپ ہیں جنھیں بچانے کے لئے جھوٹ بلوا رہا ہے۔"

کالکا بولا۔ "جو سچ تھا وہی کہہ دیا ہے۔ وہی کہتا رہوں گا۔"
"کہتا رہے گا؟" کمل نے غصے کے ساتھ کہا۔ "جوان لڑکی گھر میں ہے اور ایک مسلمان کو رکھتے تجھے شرم نہیں آتی۔"
کالکا نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔ "کمل بابو آخر چاہتے کیا ہو؟ ہم لوگوں کی عزت آبرو کوئی چیز نہیں ہے کیا۔

گاؤں میں بھی ذلیل کرتے ہو اور مہمانوں کے سامنے بھی۔"

کمل کچھ کہنے والا تھا۔ اتنے میں بڑکی چیل کی طرح اندر سے نکلی کمل کے سامنے کھڑی ہو کر بولی ــــ "ہمارے گھر سے جائے گا یا کچھ لے گا مہاجن کے بچے۔ ابھی تیری سب باتیں کھول کر رکھ دوں گی بس بھاگ جا۔"

کمل گھبرا گیا۔ کہیں بڑھیا سچ مچ رام پیاری کے بارے میں کچھ کہنے نہ لگے۔

وہ باہر جاتے ہوئے بولا ــــ "اچھا دیکھ لوں گا۔ کانپور میں رہ کر تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ نیچی ذات کے آدمی ......"

"چل باہر نکل جا۔ بڑکی کی آواز میں صبح کی کھائی ہوئی روٹیوں کا زور تھا۔

"اچھا۔" کمل نے نفرت کے ساتھ بڑکی کی طرف دیکھا ــــ "اس مسلمان نے ایک وقت کی روٹی دے دی ہے تو آپے سے باہر ہو گئی ہے وہی مثل ہے کہ گگری دانہ، سوت اُتانا۔"

بڑکی نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ جھپٹ کر کا لکا کا چپل اٹھایا اور کمل کی طرف جھپٹی۔

کمل بھاگ نکلا۔ یہ کہتا ہوا ــــ "تم سب کو جیل نہ بھیجا تو....."

وہ دروازے کے باہر نکل گیا۔

اور دروازے پر اسے کھیل یا جا ملی۔ مسکرا کر بولی ــــ "کیوں کیا ہوا ہے؟

جی غصہ کیوں کہ منہ سے [illegible]"

"یہ چار ــ" کمل نے زور زور کہنا شروع کیا ــ "کانپور کما کر لایا ہے تا سب پاگل ہو گئے۔ دماغ قابو میں نہیں ہیں ..... کنے بچوں کے۔ دو وقت پیٹ بھر کر کھانے کو ملا بلبلانے لگے۔ یہی تو نیچ ذات کہی گئی ہے"

"آخر بات کیا ہے؟" کھپل باسا نے پوچھا۔

کچھ دھیمے لہجے میں کمل نے کہا ــ "کل کھانے کو نہیں تھا تو لڑکی رہن رکھنے گئی تھی ــ" اونچی آواز میں بولا ــ "آج کھانے کو مل گیا ہے تو کہتی ہے کہ اس کے لڑکے کو میں نے قتل کر دیا ہے۔ اپنے باپوں کو کہتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔"

کھپل باسا نے مسکرا کر پوچھا ــ "لڑکیاں ہی رہن رکھتے ہو راجہ جی یا بیا ہتا بھی ــ"

کمل نے کھپل باسا کی طرف دیکھا۔ غصے کے چہرے پر کچھ تازگی نظر آئی۔

کھپل باسا اُسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

کمل نے کہا ــ "مذاق کر رہی ہے۔"

کھپل باسا بولی ــ "نہیں چھوٹے نے بتایا تھا مجھے رکھو گے۔"

کمل نے مسکرا کر کہا ــ "پہلے چھوٹے کو تو راضی کر لے۔"

"وہ نہ راضی ہو تب بھی ــ" کھپل باسا نے جواب دیا ــ "ہر وقت ساتھ ساتھ تو پھرتا نہیں ہے۔"

"کیا لے گی؟" کمل نے پوچھا۔

"چاندی کے کنر پھول ؟" کھیل باسا بولی
" اچھا ـــ" کمل بابو نے آہستہ سے کہا ـــ" کب آئے گی ـــ؟"
" جب کہو ـ" اس نے مسکرا کر کہا
" آج شام کو ـ؟" کمل نے پوچھا
" اچھا ـ" کھیل باسا نے کہا ـــ" مگر پہلے کنر پھول لے لوں گی ـ"
" ہاں رے بھیجو ـــ" کمل بولا ـــ آج ہی بنوا لوں گا ـ پہلے بین بھیجو
" یکی رہی بھیل باسا نے کہا ـ
پھر کالکا کے گھر کی طرف جاتے ہوئے بولی ـــ" دیکھوں وہاں کیا ہو رہا ہے ـ"
کمل آگے بڑھ گیا اور کھیل باسا کالکا کے گھر میں داخل ہوئی ـ
" کیا ہو رہا ہے چاچی ـــ" اس نے دروازے کے پاس سے پوچھا ـ
بڑکی ابھی تک بڑبڑا رہی تھی بولی ـــ" ہو کیا رہا ہے ـ کیا تم لوگ نہیں جانتیں کہ میرے رادھے کو کمل کے نوکر نے مارا ہے ـ"
" جانتے کیوں نہیں ہیں ـ" کھیل باسا بولی ـــ" سبھی جانتے ہیں ـ"
" بڑکی بولی ـــ" کہتا ہے، بے گناہوں کو گواہی دے کر پھانسی کرا دو ـ ان حرام خوروں کے لئے ہم کھگوان کو خفا کیوں کریں بھیل باسا تو ہی بتا ـــ؟
بھیل باسا نے پہلے چاچی کے لہجے کی کڑک پر غور کیا ـ کیا ایک وقت کی روٹی آدمی کو اتنا طاقتور بنا دیتی ہے ؟

پھر بولی ـــ "کبھی نہیں چاچی ـــ جو سچی بات ہے وہی کہنا۔
" وہی کہوں گی ۔" بڑکی بولی ـــ " حاکم کے سامنے بھی یہی کہوں گی کہ مہاجن کے نوکرنے میرے بھیا کو چاقو مارا تھا۔"

پھل باسا نے مہانوں کی طرف دیکھا۔ پھر آہستہ سے پوچھا ـــ
" یہ کون ہیں؟"

" ہمارے برادر ہیں۔" بڑکی بولی ـــ " بٹیا کا کام انھیں کے لڑکے کے ساتھ ہو رہا ہے۔"

" اچھا بہت اچھا ہے۔" پھل باسا نے ان کی طرف دیکھا۔" بھگوان خوش رکھیں جوڑا بنائے رہیں۔ ہم پہ جے بھی آس لگائے ہوئے ہیں۔"
مسکرا کر بولی ـــ" رام پیاری بٹیا تو لکشمی ہو رہی ہے جس گھر میں رہے گی اجالا کر دے گی۔"

لیکن یہ کہتے ہوئے اس کے دل نے بھی کہا ـــ اپنے گھر میں تو ایسا گہرا اندھیرا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔

کانکا نے پوچھا ـــ" کیا دروازے پر میاں جی ہیں پھل باسا؟"
" نہیں۔" اس نے جواب دیا ـــ" وہ تو جبھی چھوٹے کو لے کر بازار چلے گئے تھے۔"

پھمن نے پوچھا ـــ" میاں جی کون ہیں۔"
کمل کی بات اسے کھٹکی تھی ـــ" جوان لڑکی گھر میں ہے۔ اور ایک مسلمان کو رکھتے تجھے شرم نہیں آتی۔"

کالکا بولا — "رات کو پوری بات بتاؤں گا۔ میرے لئے تو وہ بھگوان سمان ہیں لچھمن بھائی۔"

"ہیں تو۔" پھل بابا سا بولی — "ایسا آدمی نہ ہندوؤں میں ہوتا ہے نہ مسلمانوں میں۔"

لچھمن نے پوچھا — "وہی جو ابھی باہر گئے ہیں ؟"

"ہاں" کالکا نے جواب دیا — "مجھے معلوم ہے کہ کیوں گئے ہیں لچھمن بھیا، یہ آدمی، کوئی اور ہے آدمی نہیں ہے۔"

اور بازار میں اس آدمی کے سر سے خون بہنے لگا تھا۔

کمل کالکا کے یہاں سے اپنی دوکان پر جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ چھوٹے کے ساتھ رحمت بزاز کے یہاں کپڑا خرید رہا ہے۔

کمل جاکر دوکان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

" سلام راجہ جی۔" چھوٹے نے کھینس نکال کر سلام کیا۔

" ہوں۔" کمل نے ناک سے سر ہلا کر جواب دیا۔

" پھر پوچھا — " یہاں کیا کر رہا ہے ؟"

چھوٹے مسکراتے ہوئے بولا — " میاں جی کپڑا خرید رہے ہیں۔"

کمل نے نفرت کے ساتھ پوچھا — " یہی کالکا کے یہاں آئے ہیں ؟"

" ہاں راجہ جی۔" چھوٹے نے جواب دیا۔

کمل نے رحمت کی طرف دیکھ کر پوچھا — " اے جی تم کہاں

سے آئے ہو ؟"

رحمت نے پلٹ کر جواب دیا — "پردیسی ہوں لالہ جی۔"

"یہاں کیوں آئے ہو ؟" کمل نے پوچھا — "جھوٹے بیان دلوانے۔"

رحمت مسکرا کر بولا — "میں تو کسی کو جانتا بھی نہیں ہوں۔ جھوٹے سچے بیان کیوں دلواؤں گا۔"

"پھر کالکا کیا کہہ رہا ہے ؟" کمل کی آواز بلند ہو گئی — "کیا وہ تمہارے سکھائے ہوئے بیان نہیں دے رہا ہے۔"

رحمت آہستہ سے بولا — "مجھے بیانوں سے کوئی واسطہ نہیں۔"

مگر کمل نے دوکان کے پٹرے پر کھڑے ہو کر کہا — "جان سے مروا ڈالوں گا مسلمان کے بچے۔ کتنوں کو کوکتے کی موت مروا کر پھنکوا دیا ہے۔"

"وہ بھی برا کیا ہے۔" رحمت نے کہا — "اور آگے بھی برا ہی کرو گے۔ جس نے پیدا کیا ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا لالہ جی۔"

کمل اور آگے بڑھا بولا — "تو بے دھرم مجھے کیا بتائے گا — ملچھوں اور پاپیوں کو مار ڈالنا ہی دھرم ہے۔"

"رحمت مسکرا کر بولا — "مگر میں نے کوئی پاپ کیا نہیں ہے جس کے بدلے میں مجھے کتے کی موت مار ڈالو گے۔"

کمل نے غضب ناک لہجے میں کہا — "تکرار کرتا ہے بے دھرم دکھاؤں ......"

اور اس نے بزار کا گز جھک کر اٹھایا۔

سب سکتے میں رہ گئے۔ کئی آدمی دکان پر تھے مگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا کریں۔

رحمت اسی طرح بیٹھا رہا۔ آہستہ سے جواب دیا ــــ "اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کسی کو مار نہیں سکتا۔"

کمل نے رحمت کے سر پر گز مارا ــــ "یہ لے۔"

گز سر پر پڑا اور اس لمحے خون کی پتلی دھار سر سے نکل کر اس کے کپڑوں پر بہنے لگی۔

کمل نے پھر گز اٹھایا۔

ناگہاں چھوٹے بیچ میں آگیا ــــ "جانے دو راجہ جی" وہ چیخا ــــ "پولیس گاؤں میں ہے۔ بڑا غضب ہو جائے گا۔"

لیکن کمل دیوانہ ہو رہا تھا ــــ بولا ــــ "تو ہٹ جا بھنگی کے بچے میں اس کی جان لے کر مانوں گا۔"

لیکن چھوٹے ہٹا نہیں۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا ــــ "جانے بھی دو لڑائی بھڑائی نہ کرو راجہ جی۔"

کمل نے ہاتھ بلند کیا ــــ "ہٹتا ہے یا تیرے بھی ایک ہاتھ لگاؤں"

چھوٹے نے جھپٹ کر گز پکڑ لیا ــــ جھٹکا دے کر بولا ــــ "چھوڑ دو۔"

اس کے دل میں غصہ تھا ــــ ہاتھ کے جھٹکے میں بھی غصہ تھا۔ لیکن اتنی ہمت نہیں تھی کہ زبان سے بھی غصے کا اظہار کر سکتا۔

"چھوڑو۔" کمل نے اس کے ایک لات ماری۔
چیونٹی بھی، تو کاٹتی ہے۔ حالانکہ مسل ڈالی جاتی ہے۔
معلوم نہیں کیسے چھوٹے نے جھٹکا دیا کہ کمل دوکان کے تختے سے
لڑکھڑاتا ہوا جا کر سڑک پر گرا۔
اتنی دیر کے بعد بزاز کو ہوش آیا اس کا ایک تھان بھی رحمت
کے خون سے بھیگ گیا تھا۔
کمل پھر دوکان کے تختے پر چڑھنے والا تھا کہ نبسی دھر بزاز برس
پڑا ۔" کیا مجھے جیل بھجواؤ گے کمل بابو۔ یہ سب اپنی دوکان پر کرنا۔
یہاں جھگڑا کرنے کو تم سے کس نے کہا تھا۔ پولیس آئی تو کون جواب
دے گا۔"
کمل نے منبی دھر کی طرف دیکھا۔
بہت سے آدمی سڑک پر آگئے تھے۔
کمل نے ان کی ہمدردیاں لینے کے لئے کہا ۔" تم نے ایک مسلمان
کو سودا ہی کیوں دیا۔ دکان میں بٹھایا کیوں ؟"
نبسی دھر بولا ۔" کیا کسی کے چہرے پر لکھا ہے کہ وہ ہندو ہے
یا مسلمان۔ پھر مسلمان ہو بھی تو کیا سودا نہیں خریدے گا۔ یہ فیصلہ
کب ہوا۔
چھوٹے نے دیکھا کہ یہاں کچھ دیر تکرار ہوگی۔ وہ پولیس کیمپ کی
طرف بھاگا لیکن سڑک کی موڑ پر ہی اسے ایک سپاہی مل گیا اس

نے جلدی جلدی کہا ــ " منسی دھر لالہ کی دوکان پر جھگڑا ہو رہا ہے۔"
اور اتنا کہہ کر وہ تیزی کے ساتھ پلٹ پڑا۔
سپاہی بھی بازار کی طرف جھپٹا۔
بنسی دھر اور کمل میں تکرار ہو ہی رہی تھی کہ سپاہی بھی پہونچ گیا لوگ ادھر ادھر کھسک گئے۔
"کیا بات ہے ؟" سپاہی پیڑے پر چڑھ کر چیخا۔
بنسی دھر بولا ــ " وہ ایک آدمی کپڑا لے رہا تھا۔ کمل بابو نے اسے گز سے مارا ہے۔"
سپاہی نے پلٹ کر دیکھا۔ رحمت خون میں بھیگ گیا تھا
کمل کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔
بنسی دھر نے کہا ــ " کہتے ہیں کہ مسلمان ہے ــ کیا مسلمان آجائے تو اسے کمل بابو مار ڈالیں گے سپاہی جی۔ یہ اختیار انھیں کہاں سے مل گیا۔؟"
کمل بولا ــ " پہلے اس نے چھرا نہیں نکالا تھا ــ ہندوؤں کو گالیاں نہیں دی تھیں ؟"
منسی دھر نے جواب دیا ــ اتنے آدمی بیٹھے ہیں کسی سے بھی پوچھ لو۔ وہ بیچارہ تو کچھ بولا بھی نہیں۔ تم نے زبردستی دکان میں گھس کر اسے مارا ہے۔ کیا اب گاؤں میں بالکل اندھیر ہی ہو گیا ہے۔"
رحمت خاموش بیٹھا تھا۔ اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

چھوٹے نے آہستہ سے پوچھا — "بہت چوٹ تو نہیں لگی ہے ؟"
رحمت نے مسکرا کر جواب دیا — "نہیں ! تم گھبرا کیوں رہے ہو ؟"
سپاہی گھبرا کر بولا — "کوئی جا کر داروغہ جی کو بلا لاؤ ۔"
اس نے مجمع کی طرف دیکھا ۔
اب رحمت اٹھا — اس نے سپاہی سے کہا — "داروغہ جی کو کیوں بلاؤ گے ۔ سپاہی جی ۔"
وہی فیصلہ کریں گے ۔" سپاہی بولا — "اس گاؤں میں بڑی سختی کرنا ہوگی تب ٹھیک ہوگا ۔"
رحمت نے آہستہ سے کہا — "جھگڑا نہ بڑھاؤ ، سپاہی جی — لالہ جی کسی اور بات پر خفا تھے ۔ غصہ مجھ پر اتار لیا ۔ مگر مجھے کوئی شکایت نہیں ہے ان کی غلطی تھی مگر میں نے معاف کیا ۔"
اس نے کمل کی طرف دیکھ کر کہا — " اور لالہ جی میری کوئی بات تمھیں بری لگی ہو تو معاف کرو ۔ چلو قصہ ختم ہوا ۔
سب نے اس ٹھنڈے اور برداشت کرنے والے آدمی کی طرف دیکھا ۔
رحمت نے مسکرا کر کہا — " پردیسی ہوں ، کل یا پرسوں تک چلا جاؤں گا ۔ اتنی دیر کے لئے کسی کو مجھ سے دکھ کیوں پہونچے ۔"
اس نے کمل سے پھر کہا — " معاف کرو لالہ جی —"
کئی آدمی بولے — " چلو ختم کرو ۔ سپاہی جی داروغہ جی سے نہ کہنا

جتنا کم جھگڑا ہو اتنا ہی اچھا ہے۔"
کمل بولا ــــ" مجھے لڑنے کا شوق تھوڑے ہی ہے۔"
بیچ والے بولے:" بس جاؤ ختم کرو۔ کمل بابو سپاہی جی کو دکان پر لے جاؤ ــــ جاؤ سپاہی جی ــــ"
اور کمل سپاہی جی کو لے کر چلا گیا۔
رفتہ رفتہ دکان کے سامنے سے بھیڑ بھی ہٹ گئی۔ کیونکہ اب تماشہ ختم ہو گیا تھا
جب لوگ چلے گئے تو منبی دھر نے پوچھا ــــ" یہ بات کیا تھی آخر؟"
رحمت نے مسکرا کر جواب دیا ــــ" تم نے تو سب دیکھ ہی لیا لالہ جی ــــ!"
" وہ تو دیکھا ــــ" منبی دھر نے کہا ــــ" مگر تم سے اتنی نفرت کیوں تھی؟"
رحمت بولا ــــ" ان کا خیال ہے کہ کالکا کی بیوی میرے کہنے سے اپنے لڑکے کے بارے میں جھوٹ بول رہی ہے"
منبی دھر نے کہا ــــ" وہ تو کہہ رہی ہے کہ اس کے لڑکے کو کمل بابو کے نوکر نے چاقو مارا ہے۔"
" ہاں رحمت نے کہا ــــ" وہ یہی کہتی ہے۔"
منبی دھر بولا ــــ" کوئی اپنے لڑکے کے معاملے میں جھوٹ نہیں

بولنے لگا ۔"

چھوٹے نے بالکل آہستہ آہستہ کہا ۔" سچ تو کہہ رہی ہے لالہ۔ ہم لوگوں نے بھی تو دیکھا ہے مگر کسی غریب کی ہمت ہے کہ کہہ سکے ۔"

بنسی دھر نے تعجب کے ساتھ پوچھا ۔" کیا تو نے بھی دیکھا ہے ۔"

" ہاں لالہ ۔" مسلمان تو دور ہی کھڑے تھے ۔"

بنسی دھر نے پوچھا ۔" مگر رادھے نے کیا خطا کی تھی ؟"

" خطا ۔" چھوٹے بولا ۔" خطا کیوں نہیں تھی ۔ نیچ ذات ہو کر مکھن کے تپا جی کو دوکان سے کھینچ لیا تھا ۔ سنا نہیں تم نے ؟"

" سنا تھا ۔" بنسی دھر کے اندر بھی ذات جاگ اٹھی ۔" پڑھ گیا تھا نا ۔ نیتا بننے کے خواب دیکھ رہا تھا ۔"

" اسی سے تو مار ڈالا ۔" چھوٹے بولا ۔" مارا ماری تو لگی ہی تھی کوئی کسی کو مار سکتا تھا ۔"

پھر اس نے فیصلہ کیا ۔" میں کہتا ہوں کہ جب بھگوان ہی نے نیچی ذات میں پیدا کر دیا ہے تو اونچے بننے کے خواب کیوں دیکھو ۔ میں مہتر ہوں کیا خواب دیکھنے سے برہمن بن جاؤں گا لالہ جی ۔"

لالہ نے نشانی انگوٹھا لگایا ۔" کبھی نہیں ۔ بھگوان نے جسے جہاں چاہا پیدا کر دیا ۔ یہ تو بھگوان سے لڑنا ہوا ۔"

رحمت نے اس بارے میں کوئی مداخلت نہیں کی ۔ وہ خاموشی کے ساتھ ان کی باتیں سنتا رہا ۔ لیکن لالہ نے ایک اور گواہ لینے کے لئے اس سے پوچھا ۔" کیا میں غلط کہہ رہا ہوں میاں جی ۔"

رحمت آہستہ سے بولا ـــ "میرے مذہب میں اونچ نیچ نہیں ہے لالہ ـــ"

لالہ کچھ گھبرا کر بولے ـــ "ہاں وہ تو ہے مگر کیا تم لوگ چمار کو ٹھاکر کے برابر سمجھ سکتے ہو۔"

رحمت مسکرا کر بولا ـــ "دونوں کو اللہ نے برابر پیدا کیا ہے لالہ۔ آدمیوں نے چھوٹا بڑا بنا دیا ہے۔"

لالہ نے جلدی جلدی رسید پھاڑی ـــ "ایک سو تادن، پیسے۔"

رحمت نے جیب سے روپئے نکال کر گنے۔ اخیر میں پانچ کا ایک سکہ دیکر کہا ـــ "دو کا سکہ نہیں ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں ہے" لالہ نے نوٹ لیتے ہوئے کہا "ہم کاروبار میں دو چار پیسے کا منہ نہیں دیکھتا۔"

لیکن ایک انگلی برابر غلے میں کرید رہی تھی ـــ جیسے گھورے پر کوے کی چونچ روٹی کا ٹکڑا کرید کر نکالتی ہے۔ اور پھر مسکرا کر بولے "لو تین کا سکہ نکل ہی آیا۔ نہ ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ پانچ کا ایک اور دے دو۔" اور تین کا سکہ رحمت کو دے دیا۔

رحمت نے پانچ کا سکہ لالہ کو دیا۔

جب رحمت اٹھنے لگا تو اس نے دیکھا کہ مارکین کے ایک تھان پر خون کی چھینٹیں پڑ گئی ہیں۔

اس نے لالہ سے پوچھا ـــ "اس پر خون پڑ گیا ہے۔ خراب تو

نہیں ہوگا۔"

لالہ نے تھان گھسیٹا ۔۔" ارے یہ تو بالکل ستیاناس ہوگیا۔ اب اسے کون لے گا۔ خون کا دھبہ چھوٹے گا بھی تو نہیں۔"

رحمت نے کہا ۔۔" اس کی بھی قیمت لگا دو ۔۔"

ایک مرتبہ اس کی طرف دیکھ کر لالہ نے کھاتا کھولا ۔۔" یہ ۔ یہ ۔ چالیس روپے ستائیس پیسے کا ہوا ۔"

پھر جلدی سے کہا ۔۔" ذرا سی کھٹائی لگانے سے داغ مٹ جائے گا۔ جلدی کا خون ہے۔ گھر جاکر دھو ڈالو گے تو داغ نہیں پڑے گا ۔۔ ویسے میں نے کچھ دام گھٹا کر لگا دیئے ہیں ۔" اور اس نے کھینسیں نکال دیں ۔

رحمت نے قیمت دیکر اسے بھی باندھ لیا ۔

اب منشی دھرنے پوچھا ۔۔" مگر یہ سب کیا کرو گے میاں جی ۔"

رحمت نے مسکرا کر کہا ۔۔" کپڑا پہنا جاتا ہے لالہ جی ۔"

" وہ تو ٹھیک ہے ۔" لالہ نے کہا ۔۔" مگر یہاں تمھارا گھر تو ہے نہیں ۔"

" لئے جاؤں گا رحمت نے کہا

وہ اٹھا ۔۔" آداب عرض لالہ جی ۔"

" آداب عرض ۔" لالہ نے کہا ۔" رہنا ہو تو پھر آنا میاں جی۔ کل تک کچھ نیا کپڑا بھی آنے والا ہے ۔"

"اچھا۔" کہہ کر رحمت دوکان سے نیچے اترا
چھوٹے نے کپڑے کی گٹھری پکڑ لی
قریب کے دوکانداروں نے اس کا خون سے بھیگا ہوا چہرہ دیکھا
اور لال دھاریوں والے کپڑے دیکھے۔
کسی نے کچھ کہا نہیں۔ مگر سب کے دل نے یہ ضرور کہا۔" آدمی اچھا
اور ہمت کا ہے۔ شاید اسے موت کا ڈر نہیں ہے۔"
لیکن جب وہ آگے بڑھا تو یکا یک سامنے سے ایک بیل گاڑی
آئی اور اس کے قریب رک گئی۔ بیل گاڑی پر پال سنگھ بیٹھا ہوا تھا۔
"ارے میاں جی۔" اس نے حیرت سے رحمت کی طرف دیکھا
"تم کیسے لوٹ آئے؟" رحمت نے مسکرا کر پوچھا۔
لیکن اس کے چہرے کا خون دیکھ کر پال سنگھ کی آنکھیں بدل گئی
تھیں۔ وہ گاڑی سے کودا۔ پوچھا۔" یہ کیا ہوا ہے؟"
رحمت مسکرا کر بولا۔" چوٹ لگ گئی ہے، تم کہاں جا رہے ہو؟"
"کہیں نہیں"۔ اس نے پوچھا۔" چوٹ کیسے لگ گئی۔"
چھوٹے بول اٹھا۔" کمل بابو نے گز مار دیا ہے۔"
پال سنگھ نے دوکان کی طرف دیکھا
قریب کے دوکانداروں نے دیکھا کہ ایک گاڑی رحمت کے قریب
آکر رکی۔ گاڑی سے ترچھی چودھپوا ی پگڑی باندھے ہوئے ایک تندرد
نوجوان کودا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ اب بیچ بازار میں ایک قتل

ہونے والا ہے۔

اور جب پال سنگھ نے گاڑی سے بھالا نکالا تو دوکانداراپنے دوکانوں کے تالے ڈھونڈنے لگے کیونکہ اب ایک مسلمان کا خون ہونے والا تھا اور پولیس آنے والی تھی۔

پال سنگھ نے بھالا ہے کر دوکانوں کی طرف دیکھا ۔" اس نے گالی دیکر کہا ۔" کون ہے کمل کا بچہ۔ اب آکر ہاتھ لگائے دیکھوں۔ سینے میں بھالا اتار دوں گا۔"

وہ بیچ بازار میں غصے سے ناچ رہا تھا۔

جس میں ہمت ہو آجائے۔" اس نے سب کو چیلنج کیا ۔" میاں جی مسلمان ہیں۔ کسی میں انھیں مارنے کا حوصلہ ہو تو میدان پکڑ لے۔

یہ بالکل الٹی بات ہوگئی۔ دوکانیں بند ہوتے ہوتے رک گئیں سب حیرت سے پال سنگھ کو دیکھتے رہے۔ اس کے چیلنج کا جواب کون دیتا۔

بیچ بازار میں کمل بابو پر سیکڑوں گالیاں پڑ گئیں۔

رحمت نے پال سنگھ کو ٹھنڈا کیا ۔" آؤ چلیں پال سنگھ معمولی چوٹ ہے"

پال سنگھ نے بلند آواز سے کہا ۔" نہیں، یہاں والے بڑے ہندو دھرم کے رکھوالے بنے ہیں۔ بس اسی لوٹ کھونٹ سے ہندو دھرم بچ جائے گا۔ ابھی کسی مندر کے لئے کمل کے بچے سے سو روپیہ مانگو تو معلوم

ہوگا بہو بیٹی مانگی جارہی ہے۔ اُچکے کہیں کے۔"

کسی نے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا۔ مگر سب کو تعجب ضرور ہوا کہ یہ شخص میاں جی کا مددگار کہاں سے آگیا۔ وہ تو کہتے تھے کہ پردیسی ہیں۔"

رحمت نے ہاتھ پکڑ کر پال سنگھ کو گاڑی پر بٹھایا۔ لیکن اب رحمت کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ پال سنگھ کے خلوص نے اسکا دل بے چین کر دیا تھا اور اب اس کا دل چاہتا تھا۔ پال سنگھ کو گلے لگا کر جی کھول کر رو دے

پال سنگھ نے بڑے غصے کیساتھ گاڑی ہانکی۔ پھر پکار کر کہا —" کالکا کے یہاں جارہا ہوں۔ رات کو رہوں گا بھی۔ کسی میں ہمت ہو تو آجائے!"

پھر زور دیکر بولا —" دریا پور کا پال سنگھ ہوں۔ پورا گاؤں لٹوا دوں گا۔ اسے نہ بھول جانا۔"

دیکھنے والوں نے دل میں کہا —" سچ مچ یہ تو پورا ڈکیت معلوم ہوتا ہے۔"

پال سنگھ سینہ تانے گاڑی ہانکتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

بازار سے نکل کر اس نے پوچھا —" کس نے مارا کیوں میاں جی۔"

چھوٹے بیچھے بیٹھا تھا۔ بول اٹھا —" مسلمان جو تھے۔"

" اس وقت نکل آتا۔" پال سنگھ بولا —" ذرا میں بھی اس کی بہادری دیکھ لیتا —!"

"رحمت نے آہستہ سے کہا ــ بات دوسری تھی، مسلمان ہونے پر نہیں مارا تھا"
چھوٹے بولا ــ" میں سچ کہتا ہوں یہی بات تھی اس بات پر مارتا تو کالکا کو نہ مارتا۔"

"نہیں۔" رحمت نے کہا ــ" اسی بات پر غصہ تھا۔"
"کس بات پر ــ" پال سنگھ نے پوچھا۔
رحمت نے جواب دیا ــ" پولیس آئی تھی۔ بڑا افسر بھی تھا۔ کالکا کی بیوی نے سچ سچ کہہ دیا کہ کمل کے نوکر نے اس کے لڑکے کو چاقو مارا ہے ــ داروغہ چاہتا تھا کہ وہ کچھ پکڑے ہوئے مسلمانوں کا نام لے لے۔ جب اس نے جھوٹ نہیں بولا تو پولیس والے خفا ہو کر چلے گئے اس کے بعد یہ خبر سن کر کمل بابو سمجھے کہ میں نے کالکا کی بیوی کو بہکا دیا ہے تاکہ مسلمان چھوٹ جائیں بس اسی غصے میں مار بیٹھے۔"
اس نے مسکرا کر کہا ــ" مگر ذرا سا چھل گیا ہے۔ چوٹ اوٹ نہیں ہے"
پال سنگھ نے پلٹ کر خون دیکھا۔ کہا ــ" آ گیا تو پوچھوں گا۔"
رحمت بولا ــ" مگر میں نے تو معاف کر دیا ہے۔"
پال سنگھ نے کہا ــ" میں نے تو معاف نہیں کیا ہے۔ کسی نہ کسی دن اس سے پوچھوں گا۔"
گاڑی جا کر کالکا کے دروازے پر کھڑی ہو گئی۔
بھل باسا باہر کھڑی اپنے شوہر کی راہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے سب کو دیکھا۔

"یہ گٹھری لے چل ہے" کھیل باسا کو گٹھری دے کر چھوٹے رحمت کو اتارنے لگا۔

رحمت مسکرا کر بولا — "یہ کیا ہے؟ کیا میں بیمار ہوں۔ ادھر ہٹو۔"

پال سنگھ نے گاڑی کا جوا اتارا — بولا — "چاچا نے کچھ کھانے کا سامان بھیجا ہے۔ اتار لیں۔"

رحمت نے گاڑی میں رکھی ہوئی گٹھریوں کی طرف دیکھا۔

"ہاتھ لگاؤ ذرا" پال سنگھ نے ایک بھاری گٹھری سرکاتے ہوئے چھوٹے سے کہا۔

چھوٹے کچھ رک کر بولا — "میں مہتر ہوں مالک — کوئی چھوت والی چیز تو نہیں ہے۔"

"نہیں — ہاتھ لگا" پال سنگھ بولا۔

"لاؤ ادھر بڑھاؤ —" رحمت نے گٹھری پکڑی۔

چھوٹے نے انھیں ہٹاتے ہوئے کہا — "ارے یہ تو میرے کھیر کی بھی نہیں ہے۔"

اور اس نے گٹھری اٹھا کر اپنے سر پر رکھی۔ پوچھا — "اندر لے جاؤں؟"

"لے جاؤ۔"

پال سنگھ نے قالین کے نیچے سے دوسری گٹھری کھینچی۔

"یہ سب ہے کیا۔؟" رحمت نے پوچھا۔

"کیا معلوم؟" پال سنگھ اتنی دیر کے بعد مسکرایا — "چاچا نے کہا کہ

یہ منہ بولا ما آو جس میں چھپا کھڑا ہوا۔

"شاید جاتے ہی پھر لوٹ پڑے" رحمت نے پوچھا

"اور کہا" پال سنگھ بولا — "چاچی نے بیٹھنے ہی نہیں دیا کہتی تھیں کہ میاں جی مارڈوالے گئے ہوں گے۔ فوراً جا پال اور انھیں ساتھ لیکر آئیو۔"

رحمت کو وہ ماہتاب یاد آیا جو ارجن سنگھ کے دروازے سے نکلا تھا۔

پال سنگھ نے کہا — "اب جب تک لوٹ کر نہیں جاؤں گا۔ انھیں چین تھوڑے ہی ملے گا۔ بہت کومل دل کی مالک ہیں چاچی۔"

چھوٹے گٹھری اندر رکھ کر باہر آیا۔ اتنی دیر میں اس نے رحمت کی چوٹ کا واقعہ بھی کالکا کو بتا دیا۔

بڑکی دروازے پر آ گئی۔ اس کے چہرے پر بڑی وحشت تھی "کیا ہوا میاں جی —؟" اس نے بسورتے ہوئے پوچھا۔

رحمت نے اس کی طرف دیکھا — "کچھ نہیں — یہ چھوٹے بات کو بڑھانے میں ماہر ہے۔"

چھوٹے آہستہ سے بولا — "چاچی خود ہی دیکھ رہی ہیں۔ کیوں چاچی میں نے کچھ بڑھا کر کہا ہے؟"

"نہیں۔" اس نے جلدی جلدی آنکھیں پونچھیں۔

بڑکی رحمت کے قریب آئی۔ اس کی بلائیں لیتے ہوئے بولی "بھگوان کرے، مارنے والے کے ہاتھ ٹوٹیں ....." اور پھر وہ سسکیاں لینے لگی

رحمت نے آہستہ سے کہا — "بے کار روئیں بالکل اچھا ہوں بھابی۔

لیکن اس کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔ وہ خلوص کے گنگا اور جمنا کے دھارے میں پڑا ہوا تھا۔ پال سنگھ کا خلوص اور کالکا کی بیوی کا خلوص ۔۔ اس کے قریبی عزیز ہوتے تو وہ بھی اتنا ہی کر سکتے اور شاید نہیں بھی۔

پھر یہ وہ زمین تھی جس پر چند روز پہلے مسلمانوں کا خون بہایا گیا تھا۔ ان سے سخت نفرت کی گئی تھی۔ گھر پھونک کر نکال دیا گیا تھا۔

معلوم نہیں وہ اصلی ہندوستان تھا یا اس وقت کا ہندوستان جب پال سنگھ اور کالکا کی بیوی ایک مسلمان کے لئے جان تک دے سکتے تھے۔

گاڑی سے سامان اتار کر گھر میں رکھا گیا۔ مگر گھر ہی کہاں تھا جہاں سب سامان رکھا جاتا۔ کوٹھری میں تھوڑی سی جگہ تھی ۔ ایک کونے میں سب گٹھریاں رکھ دی گئیں، چبوترے پر جہاں پہلے چھپر تھا ــــ رام پیاری نے جلدی جلدی جھاڑو دی اور پھر رحمت نے دو بڑی بڑی دریاں نکال کر دیں جو اس نے چبوترے پر بچھا دیں۔

"آؤ ادھر بیٹھو ۔" رحمت نے مہمانوں سے کہا۔

وہ بہت حیرت اور غور سے رحمت کو دیکھ رہے تھے۔ پال سنگھ کو دیکھ رہے تھے اور اس محبت کو دیکھ رہے تھے جو ان دونوں آدمیوں کے دل میں کالکا کے گھر کے لئے پیدا ہو گئی تھی۔

مہمان آ کر نئی دریوں پر بیٹھ گئے۔

کالکا نے آہستہ سے پوچھا ۔" میاں بھائی تکلیف تو نہیں ہے ؟

رحمت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا ۔ کہا ۔" ارے میں تو بھول ہی

گیا تھا۔ نماز کا وقت آگیا ہے۔ ذرا اسے دھو ڈالوں۔"

گھر میں دو گھڑے ایک بالٹی اور صرف المونیم کا ایک کٹورہ تھا ــــ رحمت بالٹی اور کٹورہ لے کر باہر چلا گیا ــــ پال سنگھ بیلوں کو چارہ ڈال رہا تھا۔

مہمانوں نے کالکا سے پوچھا "یہ لوگ کون ہیں؟"

کالکا نے آنکھیں پونچھیں ــــ یہ آنسو معلوم نہیں کتنے جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ آہستہ سے بولا ــــ "مجھے معلوم نہیں یہ کون ہیں۔ بس بھگوان کے بھیجے ہوئے سمجھو۔"

مہمان بولے ــــ "ہم نے تو ایسے آدمی کبھی دیکھے نہیں۔"

"کسی نے نہیں دیکھے ــــ" کالکا بولا ــــ "بھگوان نے میرے دکھوں کو دیکھ لیا۔"

اس نے ہاتھ جوڑ کر اپنے پیدا کرنے والے کو سلام کیا۔

باہر جامن کے درخت کے نیچے رحمت نماز پڑھ رہا تھا۔ پیچھے پال سنگھ اور چھوٹے کھڑے تھے جو بڑی عقیدت کے ساتھ رحمت کی محویت کو دیکھ رہے تھے۔

اس نے سلام پھیرا۔ دعا مانگی اور نمناک آنکھوں کو پونچھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

پیچھے پلٹ کر دیکھا تو مسکرا کر بولا ــــ "سبھی اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔"

پال سنگھ نے آہستہ سے کہا — "سب نہیں، جن کے دل میں دیا ہوتی ہے"
رحمت بولا — "جن کے دل میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔"
پھر اس نے پوچھا — "ارجن سنگھ کب آئیں گے ؟"
پال نے کہا — "انھوں نے تم کو بلایا ہے خود نہیں آئیں گے۔"
رحمت کچھ ٹھہر کر بولا — "سوچتا ہوں، کل ان سب کا انتظام کردوں اور تمھارے ساتھ چلا چلوں۔"
"کیا انتظام کرنا ہے ؟" پال نے پوچھا۔
رحمت بولا — "وہ تو بالکل ہی کنگال ہو چکے ہیں۔ برتن، بیٹھنے کی جگہ چارپائیاں، کپڑے، کچھ بھی تو نہیں ہے۔"
پال نے کہا — "مگر یہ سب کہاں تک پورا کروگے میاں ؟"
رحمت نے جواب دیا — "بہت زیادہ نہیں لگے گا۔ میرے پاس اتنا پیسہ ہے۔"
چھوٹے مسکرا کر بولا — "پیسے کی بات کسی سے نہ بتانا۔ رات کو چور بھی آسکتے ہیں۔"
رحمت نے اس کی طرف دیکھا۔ کہا — "آج رات تجھے میرے پاس رہنا ہوگا چھوٹے۔"
"کیوں نہیں —" چھوٹے بولا — "جو کام کرسکتا ہوں ضرور کروں گا"
"میرے ساتھ رہنا —" پال سنگھ نے کہا — "میں گاڑی پر رہوں گا۔"
"بس ٹھیک ہے۔" چھوٹے نے جواب دیا۔

رحمت نے پوچھا۔" کھانے کا کیا انتظام کروگے پال سنگھ۔"

" میرے پاس ہے۔" پال بولا۔" چاچی نے کئی دن کا کھانا پکا کر ساتھ کر دیا ہے۔ چھوٹے، تمھاری بھی دعوت ہے۔"

چھوٹے ہنسنے لگا۔ بولا۔" مگر عورت بھی ساتھ ہی کھاتی ہے۔"

" اسے بھی لے آنا۔" پال سنگھ بولا۔

چھوٹے مسکرایا۔ بولا۔" چنچل عورت ہے۔ تمھیں پریشان کرے گی کھا کر۔"

" واہ" پال سنگھ نے کہا۔" کیا میرے عورت ہی نہیں ہے۔ تھوڑی دیر ہنس بول کر رات کٹ جائے گی۔ ہنس مکھ عورت ساتھ ہو تو وقت بہت تیزی سے کٹتا ہے چھوٹے۔"

رحمت نے کہا۔" اچھا تم لوگ عورت سے ہنسو بولو، میں دیکھوں، گھر میں کیا ہو رہا ہے؟"

پال سنگھ ہنس کر بولا۔" عورت ابھی ہے کہاں جو ہنسیں بولیں۔"

" خیال میں تو ہے۔" رحمت نے مسکرا کر جواب دیا۔ اور گھر کے اندر چلا گیا۔

اس نے سب کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔" کیا ب، کھانے کا انتظام نہیں ہوگا۔"

" ہوگا۔" وہ آہستہ سے بولی۔

رحمت نے پکارا۔" رام پیاری بیٹی، اب باہر نکلو، مہمان بھی تو نہیں

کب سے بھوکے ہوں گے ۔"

رام پیاری گھونگھٹ نکالے ہوئے کوٹھری سے نکلی ۔

" اچھا یہ بات ہے ۔" رحمت نے مسکرا کر کہا ۔" مہمان بھائیو، ذرا باہر چل کر بیٹھو ۔ لڑکی کھانا پکا لے تو سب لوگ پھر بیٹھیں گے ۔ کالکا تمھارے پاؤں کے درد کا کیا حال ہے ؟"

" بہت کم ہے ۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا ۔

مہمان باہر چلے گئے ۔

ان کے جانے کے بعد رحمت نے کہا ۔ دیکھو کالکا بھائی ۔ میں جلدی ہی چلا جاؤں گا ۔ چاہتا ہوں کل تمھارا سب انتظام ہو جائے ۔ جس چیز کی ضرورت ہو، صاف صاف بتا دو ۔ مجھے اپنا بھائی سمجھو ۔ شرمانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔"

کالکا کی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔ بولا ۔" جو کچھ تم نے کر دیا ہے وہی کافی ہے ۔"

رحمت نے کہا ۔" اتنے میں کام نہیں چلے گا ۔ لڑکی کا بیاہ کرنا ہے گھر ٹھیک کرنا ہے کھیتی باڑی کے لئے ہل بیل کی ضرورت پڑے گی ۔ یہ سب بھی تو کرنا ہے ۔"

کالکا نے جواب نہیں دیا ۔ جواب دینے کے لئے زبان ہی نہ پلٹ سکی بس اس نے ہاتھ بڑھا کر رحمت کے پاؤں پکڑ لئے ۔ سسک سسک کر بولا ۔" تم کون ہو، سچ سچ بتا دو مہاتما ۔"

رحمت نے پاؤں ہٹانے کی کوشش کی۔ لیکن کالکا نے سر بھی رکھ دیا۔
رحمت جلدی سے بیٹھ گیا۔ اس نے کالکا کا سر اٹھا کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔
یہ کیا کرتے ہو کالکا۔ کسی کے آگے سر نہیں جھکایا جاتا کالکا۔ سیدھے ہو۔
کالکا کی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔ بولا۔" اور کیا کروں کیسے بتاؤں کہ میرے من میں کیا ہے؟"

رحمت نے کہا۔" میں جانتا ہوں۔ تب اور کیا کرو گے۔"

پھر وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔" دیکھو کالکا یہ سب کرو گے تو میں گھبرا جاؤں گا۔ تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا ہوں۔ جو کچھ کر رہا ہوں اپنے اللہ کے لئے کر رہا ہوں۔ اب دیوتا یا بھگوان نہ کہنا۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

اس کے لہجے میں سختی تھی۔ کالکا نے اس کی طرف دیکھا۔

رحمت نے کہا۔" تم مصیبت میں ہو۔ مجھ پر ذمہ داری آ پڑی ہے کہ تمہاری مصیبت میں مدد کر کے جاؤں یہ میرا فرض ہے۔ جس طرح نماز پڑھتا ہوں اسی طرح تمہاری مدد کرنا بھی مجھ پر فرض ہے۔ مگر کل چلا جاؤں گا۔ اب وقت نہیں ہے"

کالکا نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔

ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد رحمت نے پوچھا۔" لاڈلی کو بدا کرانے میں کیا خرچ ہو گا۔؟"

کالکا بولا۔" ابھی بدا نہیں کروں گا۔"

" کیوں؟"۔ رحمت نے پوچھا۔

کالکا کچھ کہہ نہیں سکا۔

رحمت نے کہا ـــ "اچھا، تم الگ رہو۔ یہ بات بھابی سے طے کروں گا۔"
پھر اس نے چولہے کی طرف دیکھا ـــ "رام پیاری، مہمانوں کے لئے اچھا کھانا پکائیو، کوئی چیز کم تو نہیں ہے۔"

"نہیں کاکا۔" وہ بولی ـــ "بہت سی چیزیں ہیں کم کچھ نہیں ہے۔"
رحمت باہر چلا گیا کیونکہ کاکا سے کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔
چھوٹے اور پال سنگھ گاؤں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ادھر سے پھل باسا آ رہی تھی۔

وہ یکایک راستہ چھوڑ کر گھر کی طرف مڑی، کھیت کے اندر سے۔
"ادھر آ پھل باسا۔" چھوٹے نے آواز دی۔
"اچھا۔" اس نے گھر کی طرف رفتار اور تیز کر دی۔
"یہاں آ کر جا۔" چھوٹے نے پھر کہا۔
"گھر آؤ۔" وہ پلٹ کر بولی ـــ "کام ہے۔"
چھوٹے مسکرا کر کہنے لگا ـــ "اب نہیں آئے گی۔ مگر میں ابھی لیکر آتا ہوں ٹھاکر۔"

اور وہ بھی گھر کی طرف لپکا
"سن تو۔" اس نے دروازے کے پاس کہا۔
"نہیں، اندر آ۔" پھل باسا دروازہ کھول کر اندر گھس گئی۔
چھوٹے بھی اندر میں داخل ہوا۔ بولا ـــ "کچھ چرا کر بھاگی ہے کیا؟"
اس نے سر ہلا کر کہا ـــ "ہاں۔"

اور دوپٹہ سر سے ہٹا کر سامنے کھڑی ہو گئی۔

"یہ کیا ہے" ۔ چھوٹے کا چہرہ بدل گیا ۔۔۔ "یہ کہاں سے پہن آئی ۔"

پھل باسا نے مسکرا کر اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے ۔ اٹھلا کر بولی ۔۔

"تم نے کہاں سے لانے کو کہا تھا؟"

چھوٹے نے جیسے اسے دھکا دیا ۔۔ "کیا تو وہاں پہونچ گئی ؟"

وہ اور زور سے گلے میں چمٹ گئی ۔۔۔ "دن ہی دن تو گئی تھی ۔ دوکان سے چلی آئی ۔"

چھوٹے نے اسے الگ کرنے کی کوشش کی ۔۔۔ "کیا اب بدمعاشی بھی کرے گی کاٹ کر کنوئیں میں ڈال دوں گا ۔"

پھل باسا نے آنسو بہائے ۔ روتے ہوئے بولی ۔۔ "کب سے کنر پھول کے لئے ترس رہی تھی ۔ تم کہاں سے بنا دیتے ۔ دھوکا دیکر لے آئی ۔۔ مانگنے تھوڑے ہی آئے گا ۔

چھوٹے کے دل پر دھکا لگا ۔ "تم کہاں سے بنا کے دیتے ۔"

اس نے ٹھنڈی سانس لی ۔ ہاں وہ کہاں سے بنا کے دیتا ۔

کچھ نرم ہو کر بولا ۔۔ "مگر مجھے یہ اچھا نہیں لگتا ۔ کان کھول کر سن لے ۔"

پھل باسا نے اس کی گردن پر اپنے گرم گرم ہونٹ رکھے ۔۔۔ "مجھے بھی تو دنیا میں کوئی اچھا نہیں لگتا ۔۔۔ تیرے سوا ۔"

چھوٹے کے ہاتھ اٹھے ۔ اس نے کن انکھیوں سے پھل باسا کے کانوں کی طرف دیکھا پھر اسے کھینچکر سینے سے لگا لیا ۔ بولا

"میاں جی سے کہتا تو وہ اس سے اچھے کنر پھول بنوا دیتے کا لکا کو رئیس بنائے دے رہے ہیں ۔"

پھل باسا نے سر اٹھایا ۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں ۔۔۔ مسکرا کر بولی ۔۔۔ "کنگن بنوا دے ۔"

"بنوا دوں گا ۔" چھوٹے نے جھک کر اسے چوما ۔

پھر اسی طرح گھسیٹ کر دروازے کی طرف بڑھا ۔ بولا ۔۔۔ "چل پال سنگھ تجھے دیکھنا چاہتا ہے ۔"

"کیوں ؟" پھل باسا نے آنکھیں پونچھتے ہوئے پوچھا ۔

"میں نے کہا کہ تو بڑی چنچل ہے ۔" چھوٹے مسکرا کر بولا ۔۔۔ "وہ تجھے دیکھنے کو بیاکل ہو گئے ۔"

پھل باسا نے ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا ۔۔۔ "کچھ ہو گیا تو کاٹ کر کنوئیں میں ڈال دو گے ۔ چھیڑتے تو تمھیں ہو ۔"

چھوٹے ہنس دیا ۔ بولا ۔۔۔ "بات یہ ہے کہ تو مجھے اچھی لگتی ہے ۔ کوئی دوسرا میری چیز کی تعریف کرے تو مجھے خوشی ہوتی ہے ۔" ۔۔۔ اس نے پھل باسا کے گال پر ہاتھ رکھ کر کہا ۔۔۔ "کیا تو میری چیز نہیں ہے ۔۔۔"

صرف سر ہلا کر پھل باسا نے اقرار کیا اور ایک نظر چھوٹے کو بھی ۔

چھوٹے نے دروازہ بند کیا اور اب دھندلکا ہو گیا تھا ۔

دونوں گاڑی کے قریب پہنچے ۔

پال سنگھ گاڑی پر لیٹا تھا ۔ رحمت نیچے کھڑا باتیں کر رہا تھا ۔ چھوٹے اور اس کی عورت کو آتے دیکھ کر پال سنگھ سیدھا ہو گیا ۔

"سلام راجہ جی ۔" پھل باسا نے ذرا سا گھونگھٹ نکال کر پال سنگھ کو سلام کیا۔

"سلام ۔" اس نے گھونگھٹ کی آڑ میں چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔

"میاں جی سلام ۔" اس نے گھونگھٹ اٹھا کر رحمت کی طرف دیکھا۔

رحمت نے مسکرا کر پوچھا ۔" دن بھر کہاں رہیں پھریا ؟"

پھل باسا نے مسکرا کر چھوٹے کی طرف دیکھا ۔ پوچھا ۔" بتا دوں ؟"

" بتا کیوں نہ دے ۔" اس نے پیار بھری نگاہوں سے عورت کو دیکھا۔

پھل باسا بولی ۔" بات یہ ہوئی کہ کمل بابو نے کنر پھول دینے کے لئے بلایا تھا۔ وہیں چلی گئی تھی ؟"

دونوں آدمیوں نے تعجب کے ساتھ اس منہ پھٹ عورت کی طرف دیکھا ۔ کیا کوئی عورت اتنی صفائی سے اپنے شوہر کے سامنے یہ بات کہہ سکتی ہے ؟

پال سنگھ کے منہ سے بے ساختہ نکلا ۔" پھر"

اور اس نے چھوٹے کی طرف دیکھا۔

پھل باسا بولی پھر کیا ۔ لے آئی ۔ یہ کیا ہیں ؟" ۔ اس نے کانوں پر ہاتھ رکھے۔

بات یہیں پر ختم ہوگئی ۔ تفصیل کے لئے پال سنگھ بے چین ہوگیا لیکن وہ ملتی کیسے ۔ ؟

ایک لمحہ سناٹا رہا۔ پھر کہیں باسا کھِل کھلا کر ہنس دی۔

سب نے اس کی طرف دیکھا۔

وہ کئی قہقہے لگا کر بولی ــــ "ابھی ابھی کنیر پھولوں کے چلتے خون ہوتے ہوتے رہ گیا۔ یہ جو ایک مرد کھڑے ہیں، کاٹ کر کنوئیں میں ڈالے دے رہے تھے۔"

اس نے پھر دو قہقہے لگائے۔"

بولی ــ" راجہ ٹھاکر جی، بھلا بتلاؤ، کوئی چیز دے دے تو لینے میں کیا پاپ ہے ـــ اور پھر مہاجن کا بچہ ـــ بھکاری کو نئے پیسے سے زیادہ نہیں دیتا۔ وہ بھی منگل منگل۔ میں جو بلا منگل ہی کے آج سنیچر کو دونوں مٹھی بھر کر کنیر پھول لے آئی تو یہ بڑے مرد کھڑے ہیں جو کاٹ کر کنوئیں میں ڈالے دے رہے تھے۔"

اس نے مسکراتی ہوئی آنکھوں سے چھوٹے کو دیکھ کر کہا ـــ" اب بڑے مرد ہو تو ہاتھوں میں کنگن پہنا کر دکھاؤ ـــ گاؤں کا چکر لگا کر دیکھو کوئی مہاجن دو آنے پیسے بھی تو تمھیں نہیں دے گا۔"

اس نے پال سنگھ کی طرف دیکھا ـــ" لو ٹھاکر جی۔"

پال سنگھ تو دم بخود تھا۔ یہ مہترانی کیسا بول رہی تھی۔ کہہ بھی رہی تھی اور نہ بھی رہی تھی۔ پھر زبان بھی کہ اچھے اچھے مقرر مات کھا جائیں۔

پال سنگھ نے موقع پا کر پوچھا ـــ" چھوٹے کو کوئی دو آنے بھی نہیں دے گا پھر تجھے کنیر پھول کیوں دے دیئے؟"

پھل باسا نے مسکرا کر پال سنگھ کی طرف دیکھا۔ کہا — "واہ ٹھاکر جی، سب کچھ جانتے ہو پھر بھی قبلوانا چاہتے ہو۔"

پال سنگھ بولا — "میں تو کچھ بھی نہیں جانتا —"

پھل باسا نے کہا — "میرے پاس روپ جو ہے۔" اس نے قہقہہ لگایا — "اتنی بات بھی تم نہیں جانتے۔ کس دیس سے آئے ہو؟"

سب ہنسنے لگے۔

چھوٹے بولا — "مگر اب کنگن کیسے ملیں گے۔؟"

"کیوں؟" اس نے چھوٹے کی طرف دیکھا۔

چھوٹے — "جن سے لینے کو کہہ رہی ہے وہ روپ پر نہیں دیتے گن پر دیتے ہیں۔"

پھل باسا بولی — "تو کیا مجھ میں کوئی گن ہی نہیں ہے؟"

رحمت نے پوچھا — "کنگن کس سے لینا چاہتی ہے۔"

اس کے دل میں آیا کہ اس غریب عورت کو کنگن وہی کیوں نہ خرید دے۔

چھوٹے نے کہا — "کنر پھول پانے کے بعد کنگن کے لئے بے چین ہو گئی ہے۔ مجھ سے کہتی تھی کہ میاں جی سے کہو، کنگن لا دیں — وہ سنجیدہ ہو کر بولا — "بھلا یہ بھی کہنے کی بات ہے۔"

پھل باسا کچھ شرما سی گئی۔

لیکن رحمت نے ہنستے ہوئے کہا — "میں کنگن دوں گا اور تیرے

روپ ہی پر دوں گا۔"

پال سنگھ نے حیرت سے رحمت کی طرف دیکھا۔

پھل باسا آہستہ سے اپنے گھر کی طرف چلی

"کہاں ــ؟" پال سنگھ نے پوچھا

"کام ہوگیا۔" وہ مسکرا کر بولی

پال سنگھ نے کہا ــ" اور میں نے دعوت جو کی ہے۔"

پھل باسا نے پلٹ کر پوچھا ــ"کس چیز کی۔"

"پوری، مٹھائی، حلوہ، میٹھی چٹنی ــ" پال نے مسکرا کر کہا ــ "ٹھہرو تو مہارانی۔"

اس نے پلٹ کر پوچھا ــ" کیا سچ مچ۔"

"اور کیا؟" پال بولا۔

وہ کہنے لگی ــ" اچھا برتن لے آؤں ــ اتنی دیر سے کیوں نہیں بتایا۔"

اور وہ تیز قدموں سے گھر کی طرف چلی۔

پال نے کہا ــ" چھوٹے تو بڑا خوش نصیب ہے۔ عورت خوش مزاج ہو تو بہت سے دکھ دور ہو جاتے ہیں۔"

چھوٹے ہنسنے لگا۔

جب کھانا ہو چکا تو یہ سب آدمی کالکا کے گھر جمع ہوئے۔

رحمت نے کہا ــ" مجھے کل جانا ہے۔ دیر کرنے سے میرا جہاز

چھوٹ جائے گا۔ اور میں اپنے اللہ کے گھر کی زیارت کو نہ جا سکوں گا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ رام پیاری کے بیاہ کا سامان کردوں۔ مکان تیار ہونے تک کالکا کے کھانے پینے کا انتظام کردوں اور کچھ روپیہ انھیں دیکر چلا جاؤں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔

کالکا خاموش رہا۔ مہمانوں نے رحمت کی طرف دیکھا

کالکا کی بیوی نے کہا۔ ہم لوگ تم پر یہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتے ۔"

رحمت بولا ـــ" میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ حج کے خرچ سے زیادہ جتنا روپیہ ہے وہی خرچ کروں گا زیادہ نہیں۔ اور یہ روپیہ میں نے اللہ کی راہ میں دینے کے لئے رکھا ہے۔ تمھیں جو کچھ دے رہا ہوں یہ مجھ پر بوجھ نہیں ہے۔"

پال سنگھ نے کہا ـــ" اب یہ حساب بتاؤ کتنے روپے میں کام ہو جائے گا۔ باقی باتیں بے کار ہیں۔"

کالکا گم سم بیٹھا تھا۔ اس سے کچھ کہتے نہیں بن رہا تھا۔

پال نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا ـــ" کالکا چاچا۔ تمھیں کو یہ سب بتانا ہوگا۔"

کالکا نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا ـــ" میں نوکری پیشہ آدمی ہوں۔ رحمت میاں اپنے گھر کا پتہ بتا دیں تو میں ان سے روپیہ لے سکتا ہوں جب یہ حج سے لوٹ کر آئیں گے تو ان سے یہاں نوکری کر کے یہ روپیہ ادا کر دوں گا۔"

رحمت نے کہا ــــ" میں ادھار نہیں دے رہا ہوں ۔ اللہ کے لئے دے رہا ہوں ۔"

کالکا نے اس کی طرف دیکھ کر کہا ــــ" تو میں بھگوان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سے ایک پیسہ بھی نہ لوں گا۔ جو کچھ دے چکے ہو وہی بہت ہے ۔ ابھی میرے ہاتھ پاؤں چل سکتے ہیں ۔ پھر تم سے کیوں لوں ۔"

رحمت ہنسنے لگا ــ بولا ــ" تمھیں جوش آگیا کالکا ــ اچھا اپنے گھر کا پتہ بتا دوں گا ۔ میرے کھیتوں میں کام کر سکو گے ۔"

" ہاں کرسکوں گا ۔" کالکا بولا ــ" ابھی اپاہج نہیں ہوا ہوں ۔"

رحمت نے پوچھا ــ" اب روپیہ بتاؤ ۔ کتنے میں یہ سب کرو گے ۔"

کالکا کچھ ٹھہر کر بولا ــــ پانچ سو میں "

" بس ٹھیک ہے ــ" رحمت بولا " یہ لو ۔"

اس نے اندر کی جیب سے نوٹ نکال کر گنے ــ" یہ پانچسو رکھو ۔"

کالکا نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے نوٹ لے لئے اور اسکی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔

جب رحمت باقی نوٹ جیب میں رکھنے لگا تو کھل باسا بولی ــــ ــ" مجھے نہ بھول جانا میاں جی ۔"

رحمت مسکرا کر کہنے لگا ــ" ارے میں تو بھول ہی گیا تھا ۔" تجھے کتنے چاہئیں ؟"

کھل باسا بولی ــ" کبھی کنگن خریدے ہوتے تو معلوم ہوتا ۔"

بچھو نے ڈانٹا ــــ چپ نہیں رہتی سپل باسا۔"
"واہ تم سے کیا مطلب" سپل باسا بولی ــ "کوئی میرے روپ پر روپیہ دے تو تم بولنے والے کون ہوتے ہو۔"
سب ہنسنے لگے اور رحمت نے پچاس روپئے اسے دیتے ہوئے کہا ــ
"لے، اتنے میں بن جائیگی۔"
سپل باسا نے نوٹ ہاتھ میں لیکر دیکھے ــ۔ اتنے نوٹ اسے زندگی میں کبھی نہیں ملے تھے۔ مسکرا کر بولی ــ" پہلے کبھی اتنے نوٹ نہیں چھوئے تھے۔ کیسے اچھے لگتے ہیں۔"
وہ ہاتھوں میں نوٹ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔
رحمت نے اس کے خوشی سے کھل اٹھنے والے چہرے کو دیکھا شاید کسی راجہ کو گدی مل جانے کی بھی اتنی ہی خوشی ہوتی ہوگی۔
پال سنگھ بار بار اس مہترانی کے خوبصورت چہرے کو دیکھنے لگا۔
خالق کائنات حسن تقسیم کرنے میں بھی بڑا ہی فیاض ہے۔
رات کو یہ بات طے ہوگئی کہ سویرے رحمت، پال سنگھ کے ساتھ چلا جائے گا۔
مگر سویرے وہ جا نہیں سکا۔
گنگل نے پولیس سے سازش کی۔ اس نے جھوٹی رپورٹ لکھائی کہ رحمت نے بازار میں اس سے جھگڑا کیا اور پال سنگھ کو لے کر دوکان پر بھالے سے مارنے آیا۔

ابھی گھر کے سب آدمی سو کر اٹھے بھی نہ تھے کہ داروغہ کا لکاکے دروازے پر آ گیا۔ اس نے رحمت کو باہر نکالا۔ پال سنگھ کو گاڑی سے جگا کر اٹھایا پھر دونوں کو پولیس کی حراست میں لے کر چلا گیا ــ سب لوگ صرف تعجب اور افسوس کے ساتھ دیکھتے رہ گئے۔

پیچھے جانے والوں میں صرف چھوٹے ہی تھا۔ کالکا چل پھر نہیں سکتا تھا۔ داروغہ نے انھیں معمولی کارروائی کے بعد تھانے بھیج دیا جو وہاں سے تین میل دور تھا۔

چھوٹے پیچھے پیچھے تھوڑی دور گیا پھر اس نے سوچا کہ وہ تھانے جاکر کیا کرے گا۔ اس کی سمجھ میں یہی بات آئی کہ پال سنگھ کے گھر والوں کو خبر کر دے۔ کیونکہ اور کوئی ان لوگوں کی مدد نہیں کر سکتا۔

کالکا نے آنکھیں پونچھتے ہوئے پوچھا ــ "کیا ہوا؟"

چھوٹے نے کانپتے ہوئے لہجے میں جواب دیا ــ "تھانے بھیج دیا۔"

"کیوں" کالکا نے پوچھا۔

"یہ تو معلوم نہیں ہوا ــ" وہ بولا ــ "مگر کلّو ہی کی شرارت ہوگی اور کوئی ان کا دشمن نہیں ہے۔"

کالکا چیخ کر رو دیا ــ "اب میں کیا کروں ــ بھگوان کیا تم بھی یہ سب دیکھ نہیں رہے ہو۔"

چھوٹے کی آنکھیں بھی بہنے لگیں ــ بولا ــ "پال سنگھ کے گاؤں جا رہا ہوں۔ وہی لوگ مدد کریں گے۔"

اور وہ پال کی گاڑی لے کر دریا پور چلا۔ کمپی باسا سے اتنا ہی کہا ـــ
"اگر رات کو نہ آؤں تو اکیلی گھر میں نہ رہیو۔ کاکا کے گھر لیٹ جائیو۔"

"اچھا۔" وہ غمگین لہجے میں بولی۔

چھوٹے نے گاڑی ہانک دی۔

دوپہر کے بعد دریا پور پہونچا۔ پال سنگھ کا پتہ پوچھ کر اس کے دروازے پر گاڑی روکی۔ پال کی بیوی نے جھانک کر باہر دیکھا۔ گاڑی پہ اس کا شوہر نہیں تھا۔

"وہ کہاں ہیں؟" اس نے چھوٹے سے پوچھا۔

چھوٹے نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا ـــ "انکیں بلا قصور ہی پولیس پکڑ لے گئی۔"

پال کی عورت ایک لمحہ سناٹے میں کھڑی رہی۔ پھر اس نے آواز دے کر اندر سے دوسری عورت کو بلایا۔ کہا "ارجن چاچا کو بلا لا ـــ ابھی ابھی ساتھ لیکر آئیو۔"

تھوڑی دیر کے بعد ارجن سنگھ آگیا۔ چھوٹے گاڑی کے پاس زمین پر بیٹھا تھا۔

ارجن سنگھ نے پوچھا ـــ "تم کون ہو۔؟"

چھوٹے بولا ـــ "نیر نگ پور کا مہتر ہوں ٹھاکر جی۔ وہ لوگ بلا قصور پال سنگھ اور رحمت میاں کو پکڑ لے گئے۔"

"کون لوگ؟" ارجن سنگھ نے تعجب کے ساتھ پوچھا۔

داروغہ اور پولیس کے سپاہی تھے۔ چھوٹے نے کہا۔ صبح صبح آئے اور گھر سے بلا کر لے گئے۔ پھر پھول پور تھانے بھیج دیا۔"

ارجن سنگھ نے پوچھا ــــ" یہ نہیں بتایا کس جرم میں پکڑ رہے ہیں"

چھوٹے نے کہا ــــ" وہاں پوچھنے والا ہی کون تھا ٹھاکر جی۔ میں مہتر ٹھہرا۔ کالکا بھی چمار ہیں۔ پولیس سے پوچھنے کی ہمت کون کرتا۔"

پال کی بیوی نے دروازے سے سر نکالا اور پھر اس کے رونے کی آواز ارجن سنگھ نے سنی۔

ارجن سنگھ بولا ــــ" پاربتی گھبراتی کیوں ہو۔ ابھی جاکر لاتا ہوں۔ تم اطمینان سے گھر میں بیٹھو۔ نہ چھوڑا تو ضمانت پر لاؤں گا کوئی ڈاکہ تو ڈالا نہیں ہے۔"

ارجن سنگھ واپس گیا۔ اپنی گاڑی جوتی۔ گاؤں کے پردھان لالہ اودھ بہاری کو ساتھ لیا۔ پرانے داروغہ جو پنشن بھی پاتے تھے۔ انھیں بلایا اور چھوٹے کو گاڑی کے پیچھے بٹھا کر پھول پور کے لئے گاڑی ہانک دی۔

دوستو، نیکی کرنا بڑا ہی دشوار اور صبر آزما کام ہے۔ جو لوگ اس میدان میں اتریں وہ ہر طرح کی مصیبتیں جھیلنے کے لئے پہلے سے تیار ہو جائیں۔

تجربہ کار لالہ اودھ بہاری نے سو روپئے کمر میں لگا لئے تھے کیونکہ انصاف کبھی مفت نہیں ملا کرتا۔ جو لوگ اپنی بے گناہی پر ناز کرتے ہیں وہ اکثر قید و بند کی مصیبت میں آسانی کے ساتھ گرفتار ہو جاتے ہیں۔"

شام ہونے سے کچھ پہلے ہی ارجن سنگھ کی گاڑی جاکر تھانے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"کہاں سے آئے ہو؟" پہرے پر سپاہی نے پوچھا۔

"دریاپور سے۔" اودھ بہاری نے آگے بڑھ کر سپاہی کے ہاتھ میں پانچ کا ایک نوٹ رکھا۔

"کیا کام ہے؟" سپاہی نے پوچھا۔

لالہ نے کہا — "نیرنگ پور سے کوئی گرفتار کر کے لایا گیا ہے۔"

"ہاں دو آدمی آئے ہیں۔" سپاہی نے کہا — "ایک پاکستان کا جاسوس معلوم ہوتا ہے۔"

لالہ نے پوچھا — "کیا کارروائی ہوئی ہے؟"

سپاہی نے مسکرا کر کہا — "ابھی تو مولوی صاحب سے پوچھا جا رہا ہے۔ آدمی بڑا پکا ہے۔ کوئی ٹھیک بات بتا نہیں رہا ہے۔"

لالہ اودھ بہاری نے کہا۔ "بڑے منشی جی کے پاس چلو جو کچھ لینا دینا ہو لے لیں۔ پاکستان کا جاسوس نہیں ہے۔ ہم لوگ جانتے ہیں۔"

سپاہی اودھ بہاری کو لے کر تھانے میں چلا گیا۔ سامنے کے کمرے میں منشی جی اور کئی سپاہی موجود تھے۔ داروغہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے زمین میں رحمت بیٹھا تھا۔ لالہ اودھ بہاری کمرے کے باہر رک گئے۔ پہرے کا سپاہی اندر آگیا۔ اس نے منشی کے کان میں کچھ کہا — منشی جی نے داروغہ سے کہا اور لالہ کو اندر آنے کی اجازت دے دی گئی۔

لالہ اودھ بہاری نے داروغہ کو سلام کیا ۔ سر کے اشارے سے جواب دیکر داروغہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لالہ بنچ پر بیٹھ گئے۔

"کہئے" داروغہ نے پوچھا۔

لالہ اودھ بہاری بولے ۔" نیرنگ پور سے جو لوگ پکڑ کر آئے ہیں ان میں پال سنگھ میرے گاؤں کا ٹھاکر ہے۔"

"اور یہ ۔" داروغہ نے رحمت کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تو بڑے اچھے آدمی ہیں ۔" اودھ بہاری نے رحمت کی طرف دیکھا۔ رحمت نے بھی سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ چہرے پر طمانچوں کے نشان تھے ماتھے پر بائیں طرف ہلکا سا زخم تھا۔ اس سے خون بہہ رہا تھا۔

داروغہ نے کہا ۔" یہ بڑا پکا جاسوس ہے۔ کوئی بات بھی نہیں بتاتا۔ مگر جائیں گے کہاں۔ بڑے بڑے ڈکیت قبول دیتے ہیں۔ ابھی پوری طرح کسا نہیں ہے۔" پھر رحمت سے کہا ۔" سن لے بدمعاش سویرے تیری لاش یہاں سے نکلے گی۔ نہیں تو سچ سچ بتا دے۔ کتنی خبریں بھیج چکا ہے۔"

رحمت نے صرف آنکھوں سے سب کی طرف دیکھا۔ کوئی جواب نہیں دیا۔

لالہ نے کہا ۔" پال کے چچا ارجن سنگھ انھیں جانتے ہیں کہا انھیں کیا بلا لاؤں۔

"لاؤ، دیکھوں کیا کہتے ہیں؟" داروغہ بولا
اتنی دیر میں کہ لالہ اودھ بہاری، ارجن سنگھ اور پنشن پانے والے داروغہ جیالال کو لیکر واپس آئے۔ پہرے کے سپاہی نے بتا دیا کہ اس کیس میں رقم مل سکتی ہے۔
تینوں آدمی آکر بنچ پر بیٹھے۔ داروغہ نے پوچھا ــ "آپ لوگ کیا جانتے ہیں۔"
ارجن سنگھ نے رحمت کو دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں ــ اور یکایک ارجن سنگھ نے اٹھ کر رحمت کے پاؤں چھوئے ــ پھر ماتھے سے ہاتھ لگاکر کہا ــ "میاں جی مجھے چھما کرنا۔"
لیکن پیروں میں ہاتھ لگتے ہی رحمت کی چیخ نکل گئی۔ اس کے پاؤں پھول گئے تھے کیونکہ تلوؤں پر اتنے رول مارے گئے تھے جن کی کوئی گنتی ہی نہ تھی
"کیا بات ہے؟" ارجن سنگھ نے رحمت کے پیروں کی طرف دیکھا۔
"کچھ نہیں ــ" رحمت کمزور لہجے میں بولا ــ "پاؤں میں چوٹ ہے۔"
داروغہ نے سخت لہجے میں کہا ــ "ادھر بنچ پر بیٹھو۔"
لیکن ارجن سنگھ رحمت کے قریب ہی زمین پر بیٹھا رہا۔ اس نے داروغہ کی طرف دیکھا تو آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں۔
لالہ اودھ بہاری لرز گئے۔ ارجن سنگھ کہیں غصے میں کام خراب نہ کردیں داروغہ بھی ارجن سنگھ کے جذبات کو سمجھ گیا تھا۔ اس نے اودھ بہاری سے پوچھا ــ "تم تو اسے جانتے ہو ــ!"

لالہ نے کھڑے ہوکر کہا ـــ "ذرا آپ مجھ سے دو باتیں کرلیں۔"

داروغہ کھڑا ہو گیا۔ کمرے سے باہر لے جاکر لالہ نے آہستہ سے کہا ـــ "ارجن سنگھ ہمارے گاؤں کا باعزت ٹھاکر ہے۔ اس کا بڑا خاندان ہے اور بہت سے لوگ بڑی بڑی سرکاری نوکریوں میں ہیں۔ پال سنگھ ان کا بھتیجا ہے بڑا ہی سرکش اور جان کی پروا نہ کرنے والا لڑکا ـــ یہ لوگ اس مسلمان کو رشی منی کی طرح مانتے ہیں۔ بڑا جھگڑا کریں گے۔ معلوم نہیں کتنے نیتا اس معاملے میں ہاتھ ڈال دیں گے

انھوں نے زور دیکر کہا ـــ "میں گاؤں کا پردھان ہوں۔ تھانے پولیس سے ہر وقت کام رہتا ہے۔ دریا پور کے داروغہ جی میری بات کبھی نہیں ٹالتے ـ" انھوں نے جیب سے پچاس روپے کے نوٹ نکال کر کہا ـــ" یہ رکھ لیجئے ـــ اس کیس میں کچھ جان نہیں ہے۔ یہ آدمی جاسوس آسوس کچھ نہیں ہے۔"

داروغہ نے نوٹ گنے۔ کہا ـــ" یہ کم ہے پردھان جی ـ" وہ مسکرایا ـــ!

پچیس روپے کے نوٹ دوسری جیب سے نکال کر لالہ نے دیئے۔ ـــ "اپنے پاس سے دے رہا ہوں، داروغہ جی ـــ منشی جی کو بھی اسی میں سمجھا لیجئے گا۔"

آپکی رعایت ہے پردھان جی" کہتا ہوا داروغہ پھر کمرے میں داخل ہوا منشی سے کہا " دونوں ملزموں کو جانے دو۔"

اور وہ وہاں ٹھہرا نہیں ، باہر نکل کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔
ارجن سنگھ کانپتے ہوئے لہجے میں بولا ” رحمت بھائی ۔“
رحمت کھڑا ہوا۔ لیکن پاؤں اٹھا نہیں سکا کہنے لگا: ذرا مجھے سہارا دو بھائی
جیسے ارجن سنگھ کی چیخ نکل گئی ۔ اس نے پولیس والوں کو
کئی گالیاں دیں ۔ کہا ” میری پیٹھ پر آ جاؤ بھائی ۔“
ارجن سنگھ نے اسے پیٹھ پر لاد دیا ۔ کمرے سے یہ کہتا ہوا نکلا ۔ اگر
کبھی میرا وقت آگیا تو تم لوگوں کو بھولوں گا نہیں تھانے والو ۔“
کسی کمرے سے پال سنگھ کو نکالا گیا ۔ اسے مارا نہیں تھا ۔ صرف
بند رکھا تھا ۔
خون کے گھونٹ پیتے ہوئے یہ لوگ تھانے سے باہر نکل گئے ۔
زبانیں بند تھیں لیکن دلوں میں وہی جذبہ تھا جو سن اٹھارہ سو ستاون
میں بھڑک اٹھا تھا یا جس نے فرانس میں انقلاب برپا کیا تھا یا زار روس
کو جلا کر خاک کر ڈالا تھا ۔

اور پھر ۔
رحمت گاڑی میں لیٹ گیا ۔ سب خاموشی کے ساتھ گاڑی میں
بیٹھ گئے ۔

* * * *

آٹھ!

● رحمت ارجن سنگھ کے یہاں معذور پڑا ہوا تھا۔ اس کے تلوے سڑ گئے تھے چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھا۔
چھوٹے دوسرے دن آیا اور اس کی خراب حالت دیکھ کر واپس چلا گیا۔
باہر کے دروازے سے ملا ہوا کمرہ تھا۔ اسی میں رحمت لیٹا رہتا۔ کھانا پینا ارجن سنگھ کی بیوی کامنی دے جاتی۔ سویرے ایک کمپونڈر آتا جو دوا لگا جاتا۔
آج ساتواں دن تھا۔
جب کامنی ناشتہ دینے آئی تو اس نے دیکھا کہ رحمت تکئے پر ماتھا ٹیکے ہوئے سسکیاں لے رہا ہے۔ یہ بالکل نئی بات تھی۔ یہ آدمی اپنے پیروں کی سخت تکلیف کے دنوں میں کراہا تک نہیں تھا۔ اب تو زخم کچھ اچھے بھی ہو گئے تھے۔

کامنی ایک لمحہ تعجب سے اسے دیکھتی رہی — پھر بولی — "کھانا لے لو کاکا —"

رحمت نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ سرخ ہو رہی تھیں۔

آنکھیں پونچھتا ہوا بیٹھ گیا۔ بولا — "لاؤ، ادھر رکھ دو۔"

کامنی نے پوریاں رکھ دیں مگر اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

آہستہ سے پوچھا — "کاکا کیا درد بڑھ گیا ہے۔"

"نہیں۔" رحمت نے جواب دیا۔

"پھر کیا ہوا؟" اس نے اپنی خوبصورت آنکھیں اٹھا کر پوچھا

رحمت کی آنکھیں پھر بہنے لگیں — سسکیاں لیتے ہوئے بولا —

"آج میرا جہاز چھوٹ گیا —" اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

کامنی کچھ سمجھ نہ سکی۔ رحمت کے منھ سے کئی مرتبہ چیخ نکلی۔

"مجھے معاف کرنا میرے مولا —" وہ رو رو کر کہنے لگا۔ "میں بالکل مجبور یہاں پڑا ہوں۔ آہ، لوگ جا رہے ہوں گے۔ میں بدنصیب یہاں پڑا رہ گیا ...."

وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر رونے لگا۔

کامنی چارپائی کی پٹی پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس کا نازک دل رحمت کے رونے پر بھر آیا تھا۔ یکایک وہ بھی سسکیاں لینے لگی۔

رحمت نے اس کی طرف دیکھا۔

بے چینی کے ساتھ اس نے کامنی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا "تم روتی کیوں ہو ؟"

ٹھیک اسی وقت ارجن سنگھ بھی کمرے کے دروازے پر آگیا۔ اس نے دیکھا کہ رحمت کامنی کے سر پہ ہاتھ رکھے بیٹھا ہے۔ اس کا جسم کانپ گیا۔

رحمت نے پھر کہا — میری بیٹی ، تو کیوں روتی ہے۔ میری قسمت ہی خراب تھی کہ اللہ کے گھر کی زیارت کو نہ جا سکا — اٹھو کامنی بیٹی ، گھر جاؤ۔"

اور اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

ارجن سنگھ آہستہ سے اندر داخل ہوا۔

وہ بولا — "رحمت بھائی — تمھیں ہم لوگوں کی وجہ سے بڑی تکلیف اٹھانا پڑی۔"

رحمت نے اس کی طرف دیکھا۔ کامنی جلدی سے کھڑی ہو گئی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

ارجن سنگھ کی طرف دیکھ کر رحمت نے کہا — "میں نے یہاں آکر تم لوگوں کو دکھ دیا ہے بھائی۔ آج میرا جہاز چھوٹ گیا —" اور اس کے منہ سے پھر چیخ نکل گئی۔

کامنی اس کی طرف دیکھ کر سسکیاں لینے لگی۔

ارجن سنگھ کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اس نے رحمت کے قریب

ہوئے کہا ۔ "کامنی گھر جاؤ ۔"
وہ سسکیاں لیتی ہوئی چلی گئی ۔
ٹھنڈی سانس لیکر ارجن سنگھ نے کہا ۔" روتے کیوں ہو، اگلے سال چلے جانا ۔
رحمت نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا ۔" اتنے دن کیسے کٹیں گے ؟"
"کیوں ؟" ارجن سنگھ نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا ۔
"اب تمھیں کیا بتاؤں بھائی ۔" رحمت نے کہا ۔" پیار اور محبت کی بات زبان سے کہی نہیں جاتی ۔"
پھر اس نے کہا ۔" ذرا پانی دو ۔ ناشتہ کروں ۔"
اور دو تین دن تک رحمت نے بڑی بے قراری کے ساتھ بسر کی ۔
پورے پندرہ دن کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو سکا ۔ اس بیچ میں چھوٹے کئی مرتبہ آیا ۔ اس نے بتایا کہ رام پیاری کو کالکا نے بدا کر دیا ہے ۔ ٹانگ ٹھیک ہو رہی ہے ۔ تھوڑا بہت چل پھر بھی لیتا ہے ۔ لیکن پولیس اور کمل اب بھی پریشان کر رہے ہیں ۔ اس کی بیوی سے جھوٹی گواہی دینے کو کہہ رہے ہیں ۔
اس دن رحمت نے ارجن سنگھ سے کہا ۔" مجھے نیرنگ پور پہنچا دو ۔"
"کیوں ؟" ارجن سنگھ نے پوچھا ۔
"کالکا سے مل آؤں ۔" رحمت نے کہا ۔" اس کے بعد اپنے گھر

چلا جاؤں گا۔"

ارجن سنگھ نے کہا۔" مجھے ڈر ہے کہ پولیس کسی اور جھگڑے میں نہ پھنسا دے۔"

رحمت نے مسکرا کر کہا۔" بار بار ایسا تھوڑے ہی کرے گی پھر ایک دن ٹھہر کر چلا آؤں گا۔"

" اچھا کل چلنا۔" ارجن سنگھ نے کہا۔" مگر اپنے ساتھ ہی لے کر آؤں گا۔"

" ہاں لوٹ آؤں گا۔" رحمت بولا۔

دوسرے دن رحمت گاڑی پر نیرنگ پور پہونچا۔

جب اس کی گاڑی گاؤں میں داخل ہوئی تو لوگوں نے بہت تعجب سے اسے دیکھا۔ پولیس نے پوچھا۔

" کیا تم پھر یہیں رہو گے۔"

" نہیں ۔" رحمت بولا۔" کل چلا جاؤں گا۔"

" ہاں! اچھا یہی ہے" داروغہ نے تلخ لہجے میں کہا۔

ارجن سنگھ نے خون کی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

گاڑی بازار سے گزری۔

کئی انجانے آدمیوں نے اسے سلام کیا۔ رحمت جواب دیتا ہوا کالکا کے دروازے پر پہونچا۔

دیواریں اٹھ گئی تھیں اور دروازہ لگایا جارہا تھا۔ کالکا نے

جیسے ہی رحمت کو دیکھا بے چینی کے ساتھ اس کی طرف بڑھا ۔۔ "سلام میاں جی۔ بھگوان نے تمھیں اچھا کر دیا۔ ہم لوگ ہر وقت تمھارا ہی ذکر کرتے رہتے تھے۔"

وہ آکر رحمت سے لپٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

رحمت اور ارجن سنگھ کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

" داروغہ نے ....." کالکا نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا ۔۔۔۔۔ "بلا قصور ۔۔۔"

"چھوڑو بھئی ۔۔" رحمت نے کہا ۔۔ "رام پیاری چلی گئی ۔۔"

"ہاں ۔۔" کالکا بولا ۔۔۔ "چار دن ہوئے رخصت کر دیا۔"

"اچھا کیا ۔۔" رحمت نے کہا ۔۔۔ "چلو ، بھابی اچھی ہیں۔"

"بس رو رہی ہے رام پیاری کی ماں ۔۔" کالکا بولا ۔۔۔ "آج گاڑی کرایہ پر لی تھی کل ہم لوگ دریاپور آتے۔"

پھر اس نے پکارا ۔۔۔ "رام پیاری کی ماں میاں جی آگئے ہیں۔"

وہ دروازے کے پاس دکھائی دی ۔۔ ایک لمحہ ٹھہر کر دیکھا پھر آکر رحمت کے قدموں سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اٹھو ۔۔" رحمت نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا ۔۔ "گھر چلو۔ تم لوگ خیریت سے ہو ۔۔"

"ہاں ۔" وہ آنکھیں پونچھتی ہوئی بولی۔

اس دن تھوڑی دیر کے لئے رحمت بازار گیا۔ کمل بابو کی دوکان

پر جاکر بولا — "کمل بابو میں کل اپنے گھر جا رہا ہوں۔ شاید پھر کبھی یہاں آنہ سکوں۔ میری کسی بات سے تکلیف پہونچی ہو تو معاف کرنا۔"

کمل نے بہت تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔

رحمت نے پھر کہا — میں نے تمھارے خلاف کوئی بات نہیں کی ہے۔ کسی کے خلاف نہیں کی ہے۔ جاتے وقت معافی مانگ کر جانا چاہتا ہوں"

"کمل بولا — " جو کچھ ہو گیا اسے چھوڑو۔

رحمت نے کہا — "میں تم سے معافی مانگنے آیا تھا۔ اچھا سلام"۔

وہ دوکان سے اترا۔

سڑک پر دلیپ بابو کھڑے تھے — بولے — "آپ بھی کس آدمی سے معافی مانگنے آئے ہیں میاں جی — یہ جانور ہے پورا نچر — آدمی کی قدر کرنا کیا جانے۔

رحمت نے مسکرا کر کہا — "میرا فرض معافی مانگنا تھا۔ آگے وہ جانیں اور ان کا اخلاق جانے۔"

"واہ" دلیپ بابو نے کہا — "ایسے لوگ صرف طاقت کے آگے جھکتے ہیں۔ ادب و اخلاق سے انھیں کیا واسطہ۔"

وہ رحمت کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولے — " میں کوشش کر رہا ہوں کہ مسلمانوں کو پھر ان کے گھروں میں بساؤں۔ آپ کے عمل سے بڑی مدد ملی ہے۔ نہ سب ہندو بُرے ہوتے ہیں اور نہ مسلمان۔ آپ بھی ہم لوگوں کو وحشی نہ سمجھئے گا۔"

رحمت نے آہستہ سے کہا — "کیا میں ارجن سنگھ اور کالکا کو دیکھ نہیں رہا ہوں۔ آپ سے زیادہ واسطہ نہیں رہا۔ لیکن تھوڑی سی باتوں میں بھی آدمی کو پہچان لیا جاتا ہے — مجھے تو یہاں جھگڑا فساد پسند کرنیوالے ہندو ملے نہیں ۔"

"تھوڑے سے ہیں ۔" دلیپ بابو نے کہا — "وہی سب کو بگاڑ رہے ہیں ۔ لیکن اب میں انھیں ٹھیک کرلوں گا ۔"

اور بازار کے سرے تک آکر دلیپ بابو سلام کر کے چلے گئے ۔

رات کو بہت دیر تک سب جاگتے رہے کوئی ایک بجے رات تک چھوٹے اور بھیں باسا بھی کالکا کے گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے ۔ پھر رحمت اور ارجن سنگھ گاڑی پر سونے چلے گئے — گھر میں گرمی تھی ۔

سونے سے پہلے رحمت نے کہا — "ذرا جلدی اٹھنا ۔ ہم لوگ رات ہی سے نکل چلیں گے ۔"

"کیوں" ارجن سنگھ نے پوچھا ۔

"کالکا ابھی جانے نہیں دے گا ۔" رحمت نے جواب دیا ۔ "اب یہاں میری ضرورت نہیں ہے ۔"

اور سویرے بہت ہی اندھیرے سے ارجن سنگھ نے گاڑی ہانک دی ۔ رات ہی کو وہ لوگ نیرنگ پور سے دور نکل گئے ۔

⁂ ⁂ ⁂

نو!

● جب ٹرین الٹی تو سید صاحب ایک جھٹکے کے ساتھ جا کر پلیٹ فارم پر گرے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یکایک یہ کیا ہو گیا۔

جب ذرا ہوش حواس درست ہوئے تو سمجھ میں آیا کہ ٹرین لڑ گئی ہے اور وہ کسی طرح پلیٹ فارم پر نکل آئے ہیں۔

ہر طرف شور تھا۔ عزیز رشتے دار بے تابی کے ساتھ اپنے عزیزوں کو پکار رہے تھے۔ اندر پھنسے ہوئے مدد کے لیے چیخ رہے تھے اسی ہنگامے میں سید صاحب بھی برابر پکار رہے تھے۔ "رحمت۔ رحمت۔"

اور جب اندر سے اس کی آواز سنائی دی تو انھوں نے چیخ کر کہا "باہر نکلو۔ آگ لگنے والی ہے۔"

اگلے ڈبوں سے دھواں نکل رہا تھا۔ سید صاحب کو خیال تھا کہ جلد ہی آگ بھڑک اٹھے گی۔

پھر انھیں باہر سے رحمت کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے کہا کہ

اسٹیشن پر آؤ۔ میں وہیں چل رہا ہوں۔ جواب میں رحمت نے بھی اسٹیشن آتے کے لئے کہا۔ لیکن اس کے بعد وہ لاپتہ ہو گیا۔

تمام مسافر دو دن تک اسٹیشن پر رکے رہے۔ ان کا سامان نکالا گیا۔ زخمی اسپتال بھیجے گئے۔ مرنے والے ان کے وارثوں کے سپرد کرنے کے لئے محفوظ کر دیئے گئے۔ سامان نکالا گیا اور شناخت کے بعد مالکوں کے حوالے کر دیا گیا۔

جب سید صاحب کو رحمت کا پتہ نہ ملا تو انھوں نے اس کا سامان ریلوے کے ذمہ داروں کی نگرانی میں دیا۔ اس کا نام اور پتہ لکھایا چلتے وقت اسٹیشن ماسٹر سے کہا ـــ " اگر رحمت آجائیں تو بمبئی بھیج دیجئے گا۔ جہاز سات تاریخ کو چھوٹے گا۔ میں ان کا انتظار کروں گا۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔" انھوں نے جواب دیا ـــ " آتے ہی بھیج دوں گا۔ مگر یہ معاملہ عجیب ہے۔ آپ جو بتاتے ہیں اس کے بعد تو ایک جاسوسی قصہ بن جاتا ہے۔"

" بالکل۔" انھوں نے کہا ـــ " وہ ٹرین کے باہر نکل گیا تھا اس نے پکار کر کہا تھا کہ اسٹیشن جا رہا ہے۔ پھر معلوم نہیں کیا ہو گیا۔"

" بڑے تعجب کی بات ہے۔" اسٹیشن ماسٹر نے کہا ـــ " نہ لاش ملی نہ زخمیوں میں ہیں۔ پھر چلے کہاں گئے۔ میں اس معاملے کو آج ہی پولیس کے سپرد کرتا ہوں۔"

" شکریہ!" سید صاحب بولے ـــ " آپ کی بڑی مہربانی ہوگی

اگر جلدی تلاش کرکے بھیجا دیں گے تو ہم دونوں ساتھ ساتھ حج کو جا سکیں گے۔"
اسٹیشن ماسٹر نے اطمینان دلایا ۔۔۔ "میں پوری کوشش کروں گا
اطمینان رکھیں ۔۔"

پھر سید صاحب ممبئی روانہ ہو گئے۔

وہاں بھی رحمت کا انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سات تاریخ
آگئی اور اب وہ مایوس ہو گئے۔

روانگی کا وقت آگیا۔ سامان اٹھایا گیا۔ سبھی حاجی اللہ کا نام لے کر
سمندر کے سفر پر روانہ ہونے کے لئے ساحل کی طرف چلے۔

سید صاحب ایک ایک شخص کے چہرے کو دیکھتے۔ لیکن لوگ ان
راستوں تک پہونچ گئے جو جہاز پر جانے کے لئے بنے ہوئے تھے۔
بڑی بھیڑ ہو گئی۔ کئی دروازوں سے لوگ جہاز پر چڑھ رہے تھے۔
یکایک سید صاحب نے دیکھا کہ رحمت اپنی گٹھری سر پر رکھے ہوئے
آگے آگے جا رہا ہے ۔۔۔ جہاز کے دروازے سے تھوڑے فاصلے پر۔

"رحمت" انھوں نے پکارا
لیکن وہ آگے ہی بڑھتا رہا۔ شاید آواز نہیں سنی۔
سید صاحب کئی آدمیوں کو ہٹا کر آگے بڑھے۔

"کیا ہے ؟" ایک مسافر نے آہستہ سے کہا ۔" دھکے نہ دیجئے۔"
میرا ساتھی آگے جا رہا ہے۔" وہ بولے۔
مسافر نے مسکرا کر جواب دیا ۔۔۔" سب جہاز میں مل جائیں گے پریشان

کیوں ہوتے ہیں۔؟

سید صاحب نے سر اٹھا کر دیکھا۔ رحمت دروازے میں داخل ہو رہا تھا وہ اندر چلا گیا۔

رفتہ رفتہ سبھی مسافر جہاز میں داخل ہو گئے اور اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر گئے۔

سید صاحب نے سب طرف دیکھا انھیں رحمت کہیں نظر نہ آیا جہاز نے سیٹی دی۔ انجن گھڑگھڑایا۔ پھر اس میں حرکت ہوئی۔ اور سمندر کی موجوں پر ایک جہاز تیرنے لگا۔

اللہ کی کیسی عجیب قدرت ہے۔ وہ سمندر کی موجوں پر جہازوں کو رواں دواں رکھتا ہے۔ حالانکہ ایک کنکری بھی پھینکو تو موجوں کو چیرتی ہوئی سمندر کی تہ میں پہونچ جائے گی۔

سید صاحب نے دعا پڑھی۔ وہ دعا جو حضرت نوح نے اپنی کشتی طوفان کے حوالے کرتے وقت مانگی تھی۔

لیکن جب وہ پورے جہاز کو تلاش کر چکے تو انھیں بڑا تعجب ہوا انھوں نے بالکل صاف صاف رحمت کو دیکھا تھا۔ وہی گٹھری ۔۔ وہی کپڑے ۔۔ وہی رحمت ۔

مگر پھر جہاز میں آنے کے بعد کہاں چلا گیا۔

آخر انھوں نے یہ کہہ کر اطمینان کرلیا کہ شاید دھوکا ہی ہوا ہوگا۔ وہ کوئی اور آدمی تھا۔

جہاز سمندر کی موجوں کو پیچھے چھوڑتا رہا۔ موجوں کو بھی اور مختلف ملکوں اور بندرگاہوں کو بھی۔

آخر جہاز کے کپتان نے یہ خوشخبری سنائی کہ چند گھنٹوں کے بعد جہاز بندرگاہ جدہ پر لنگر انداز ہونے والا ہے۔

"اللہ اکبر — اللہ اکبر

اے اللہ میں حاضر ہوں — اے اللہ میں حاضر ہوں"

دیار رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے اشتیاق میں مسافر جہاز کے عرشے پر آگئے۔ سرزمین عرب پر پہلی نظر ڈالنے کے لئے ان کے دل بے چین ہو گئے۔ آنکھیں شوق دیدار میں پر آب ہو گئیں۔

جہاز کی رفتار کم ہو گئی۔ جدّے کی عظیم الشان عمارتوں کی چوٹیاں نظر آنے لگیں۔ جہاز ڈولتا ہوا بندرگاہ کی گودی میں داخل ہوا۔

مسافر اپنے سامان کی طرف جھپٹے۔

ایک عجیب طرح کا شور بلند ہوا۔ جہاز کے دروازے کھل گئے — مسافر باہر نکلنے لگے۔

جیسے ہی سید صاحب دروازے کے پاس پہونچے انھوں نے دیکھا کہ رحمت سب سے آگے اپنی گٹھری لئے ہوئے بندرگاہ کے سائبان کے نیچے جا رہا ہے۔

فاصلہ زیادہ تھا۔ وہ آواز نہ دے سکے۔ لیکن ان کی حیرت کی بھی کوئی انتہا نہ رہی۔ معلوم نہیں وہ جہاز میں کہاں چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔

دیکھنں نے بھیڑ کے اندر سے کئی مرتبہ دیکھا۔ رحمت آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن وہ اس طرح پھنسے ہوئے تھے کہ جھپٹ کر آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔

ان کا سامان بھی سائبان کے نیچے پہونچ گیا۔

سب سے پہلے لوگ اپنے پاسپورٹ اور ضروری کاغذات لے کر دفتر جاتے ہیں جہاں لائن سے کاغذات کا معائنہ ہوتا ہے۔ سامان قلی کے حوالے کر کے سید صاحب بھی لائن میں لگ گئے اور انھوں نے دیکھا کہ رحمت کھڑکی کے پاس اپنے کاغذات دکھا رہا ہے۔

لائن لمبی تھی وہ دیکھتے رہے۔ اور رحمت لائن سے نکل کر مسافرخانہ کی طرف بڑھ گیا۔ سید صاحب نے لوگوں کی وجہ سے آواز نہیں دی لیکن ابھی تو سبھی مسافر بندرگاہ کے مسافرخانے میں ٹھہرنے والے تھے جہاں سے بسیں اور دوسری سواریاں انھیں لیکر مقدس شہر مکہ کی طرف روانہ ہونے والی تھیں۔

اور سید صاحب کو یقین تھا کہ مسافرخانے میں رحمت ضرور مل جائے گا۔

اپنے کاغذات کا معائنہ کرانے کے بعد وہ بے چینی کے ساتھ مسافرخانے پہونچے، مسافروں نے بستر کھول دئیے تھے۔ کھانے پینے میں مصروف تھے تھوڑی دیر کے بعد انھیں روانہ ہونا تھا۔ مگر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ انھیں رحمت کہیں نظر نہیں آیا۔

انھوں نے جھنجلا کر اپنا بستر بھی کھولا اور تھوڑی دیر آرام لینے کے لئے لیٹ گئے۔ مگر دل میں یہ بھی کہا کہ آخر رحمت کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ مجھے تلاش کیوں نہیں کرتا۔ میں ہی اس کے لئے پریشان کیوں ہوں۔

غصے میں انھوں نے فیصلہ کیا کہ اب ملے گا تو بھی اس سے بات نہیں کریں گے۔ آخر اپنے کو سمجھتا کیا ہے۔

اس کے بعد شام کو سید صاحب بس سے مکہ شریف روانہ ہو گئے۔

دوسرے دن سویرے وہ عمرہ کرنے خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے۔ انھوں نے سات بار اس چوکور ستون نما عمارت کا طواف کیا جسے لگ بھگ چار ہزار سال پہلے اللہ کے دو متبرک پیغمبروں نے اللہ کی عبادت کے لئے بنایا تھا۔

عمرہ سے فارغ ہو کر وہ صفا و مروہ کی سعی کے لئے گئے۔ چشمہ زمزم سے پانی پیا۔ پھر بال کٹوائے اور احرام اتار کر اپنے کپڑے پہنے۔

ایک فرض پورا ہو گیا اور اب وہ حاجی ہو گئے تھے۔ جب مکہ واپس ہوئے تو خوشی سے ان کا دل باغ باغ تھا۔

واپس آکر پھر اللہ کے گھر کا طواف کیا اور نماز شکرانہ ادا کی۔

سلام پھیر کر دعا مانگ کر جب وہ اٹھے اور باہر جانے کے لئے مڑے تو یکایک انھوں نے دروازے کے پاس رحمت کو دیکھا جو باہر جا رہا تھا اور احرام اتار چکا تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ حج کے پچھلے کے مراسم ان سے پہلے ادا کر کے

نماز پنجگانہ کے بعد باہر جا رہا تھا۔

وہ چپکے۔ تیز تیز قدموں سے باہر نکل کر ادھر اُدھر دیکھا لیکن پھر رحمت نظر نہیں آیا۔

وہ بار بار اپنے دل میں کہتے رہے "کیا یہ شخص دیوانہ ہو گیا ہے اسے میری ذرہ برابر پروا نہیں ہے۔"

مکہ میں چند روز ٹھہرنے کے بعد حج کا وقت آ گیا۔

۸ ذی الحجہ کو منیٰ کے لئے اللہ کے بندے روانہ ہوئے وہاں پانچ وقت کی نمازیں پڑھنے کے لئے قیام کیا۔

دوسرے دن دس میل آگے جا کر عرفات کے میدان میں قیام کے لئے روئے زمین کے وہ لوگ روانہ ہوئے جو ایک خدائے واحد جس کا کوئی شریک نہیں — کے ماننے والے تھے اور اپنی اپنی قوموں اور نسلوں کی نمائندگی کرنے میدان عرفات کی طرف جا رہے تھے۔

اللہ اللہ — ایک عظیم قافلہ تھا۔ رواں دواں۔ اپنے شوق اور اپنی خوشی سے ایک منزل مقصود کی طرف جا رہا تھا — سواریوں میں بھی اور پیدل بھی۔ آج کوئی لگن، کوئی تمنا، کوئی آرزو، دنیائے فانی کا کوئی خیال۔ اس عظیم قافلے کے کسی فرد کے دل میں باقی نہیں رہ گیا تھا — بس یہ قافلہ کھنچا چلا جا رہا تھا — حکم ہوا کہ میدان عرفات میں جمع ہو جاؤ — اور ایک قوم — مسلم — چیخ اٹھی — لبیک، ہم حاضر ہیں اے مالک الملک۔

سید صاحب کی بس آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔ میدان عرفات قریب آگیا تھا۔ شوق کی نگاہیں میدان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ اور اسی عالم میں سید صاحب نے رحمت کو دیکھا ـــــ سامنے ان سے دس بیس قدم آگے اپنی گٹھری سر پر رکھے۔ پیروں پر راستے کی متبرک دھول جمی ہوئی والہانہ انداز میں چلا جا رہا تھا۔

لیکن بس ایک ہی لمحہ بعد ہجوم میں غائب ہوگیا۔

میدان عرفات میں رات کا قیام تھا ـــــ اب واپسی ہے۔ اور قیام مزدلفہ میں ہوگا۔ یہاں شیطان مردود کو ہمیشہ کے لئے بھگا دینے کے مقصد سے اسے ہر حاجی سات کنکریاں مارتا ہے۔

مزدلفہ کے قیام کے بعد انھوں نے قربانی کے لئے منیٰ کا رخ کیا اس راستے میں تین جگہ شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ بڑا ہجوم ہوتا ہے حضرت ابراہیمؑ کے پیچھے پیچھے حضرت اسماعیلؑ جا رہے تھے۔ شیطان نے راستے میں تین جگہ انھیں بہکانے کی کوشش کی تھی۔ انھوں نے تین مرتبہ کنکریاں مار کر اسے بھگایا تھا۔ اللہ کے بندے اپنے نبی محترم کی سنت میں آج تک ان تینوں مقامات پر شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں۔ سید صاحب بھی بے پناہ ہجوم میں راستہ بنا کر آگے بڑھ رہے تھے۔

انھوں نے دیکھا کہ رحمت اس جگہ کے قریب کھڑا ہوا کنکریاں مار رہا ہے۔ بالکل اسی جوش کے ساتھ جس طرح اپنے خربوزے کے کھیت سے کوتے کو ڈھیلے مار کر بھگاتا تھا۔ جب کنکریاں ختم ہوگئیں تو اس نے

جھک کر ایک پاؤں سے چپل اتاری اور وہ بھی کھینچ ماری۔ پھر دوسری بھی
اس کا جوش اور چپلیں مارنے کا انداز دیکھ کر سید صاحب کو ہنسی
آگئی۔

پھر وہ ہجوم میں غائب ہو گیا ـــــ اور جب سید صاحب کنکریاں مار
رہے تھے تو انھوں نے رحمت کے چپل بھی پڑے ہوئے دیکھے۔
کنکریاں مارنے کے بعد سید صاحب نے قربانی کی اور انھوں نے
پھر دیکھا کہ رحمت قربان گاہ سے فرصت پاکر بہت سے حاجیوں کے
ساتھ واپس جارہا ہے۔
اب سید صاحب کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ شخص درحقیقت رحمت نہیں
ہے، اس کی روح فریضۂ حج ادا کر رہی ہے اور وہ ٹرین کے حادثے میں شہید
ہو چکا ہے۔ اس روح سے انھیں خوف پیدا ہو چکا تھا اور وہ اسے
دیکھ کر ملنے کی کوشش نہیں کر رہے تھے۔
تین دن منیٰ میں قیام کے بعد یہ عظیم قافلہ حرم محترم کے طواف
اور صفا و مروہ کی سعی کے لئے واپس ہوا۔
اس کے بعد انھوں نے ایک مرتبہ رحمت کو مدینۂ منورہ میں دیکھا
جب وہ مسجد نبوی کے باب جبرئیل سے اندر داخل ہو رہا تھا اور پھر
اس وقت جب واپسی کا وقت آیا اور سید صاحب اپنا سامان اور
بہت سی خریدی ہوئی چیزیں مزدوروں پر لاد کر جہاز کی طرف
جارہے تھے۔

انھوں نے دیکھا کہ رحمت اپنی گٹھری سر پر رکھے ہجوم اب پہلے سے بہت چھوٹی ہوگئی تھی ــــ ننگے پاؤں جہاز کے اندر داخل ہو رہا تھا۔

انھوں نے اپنی رفتار کم کر دی تاکہ وہ جہاز کے اندر جاکر غائب ہو جائے اور ان سے ملاقات نہ ہو۔ اپنا مال سنبھال کر اور جگہ محفوظ کرنے کے بعد انھوں نے احتیاطاً جہاز کا ایک چکر لگایا لیکن پھر رحمت کہیں نظر نہ آیا۔

عجیب واقعہ تھا۔ سید صاحب کو سخت افسوس بھی تھا۔ واپسی میں وہ رحمت کے گھر والوں کو اس کی موت کی خبر کیسے سنائیں گے۔ ایک طرف ان کے اپنے گھر میں خوشی و مسرت ہو گی، جشن منائے جا رہے ہوں گے اور دوسری طرف بیچارے رحمت کے گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی ہوگی۔

"کاش وہ زندہ ہوتا ــــ" انھوں نے دل میں کہا ــــ "دل کا نیک تھا ــــ اللہ نے اس کی تمنا پوری کر دی۔ اس کی روح نے حج کر لیا۔"

پھر یکایک انھیں خیال آیا کہ ہر موقعے پر انھوں نے رحمت کو اپنے سے آگے ہی آگے پایا ہے۔ یقیناً اس کی نیت کو اللہ نے قبولیت عطا فرمائی اور حج کے ارکان ادا کرنے کے لئے اسے اولیت نصیب ہوئی۔

"اگر وہ زندہ ہوتا ــــ" انھوں نے دل میں کہا ــــ "تو

یقیناً اسے حج اکبر کا ثواب نصیب ہوتا۔"
جہاز سرزمین ہند کی طرف رواں دواں تھا۔

* * *

دس!

● سویرے کالکا باہر نکلا تو گاڑی جا چکی تھی۔ ایک لمحہ وہ کھڑا رہا پھر آہستہ آہستہ چھوٹے کے دروازے پر جا کر پکارا۔

"کیا ہے کاکا ۔" پھل باسا بولی۔

"ارے یہ گاڑی کہاں گئی ۔" کالکا نے پوچھا ۔"چھوٹے نہیں ہے کیا؟"

پھل باسا دروازے پر آ گئی ۔ کہنے لگی ۔" وہ باہر نکلے تو دیکھا گاڑی نہیں ہے ۔ دیکھنے گئے ہیں کہ کہیں پولیس تو نہیں پکڑ لے گئی۔"

"آجائے تو میرے پاس بھیج دینا ۔" کہہ کر کالکا اپنے گھر کی طرف چلا۔

اسی وقت دلیپ بابو وہاں آ گئے ۔ پوچھا ۔" تمھارے مہمان کہاں ہیں کالکا ۔"

کالکا نے کہا ۔" رات کو تھے اندھیرے سے کہیں چلے گئے۔"

"کہاں ؟" دلیپ نے کہا
کالکا نے جواب دیا — "چھوٹے دیکھنے گیا ہے — ڈر ہے، کہیں، پولیس نہ پکڑ لے گئی ہو —"

"نہیں —" دلیپ نے کہا — "میں وہیں سے آ رہا ہوں —"
پھر اس نے کالکا کی طرف دیکھا — مسکرا کر کہا — "دیواریں تو بن گئی ہیں دروازہ بھی لگا دو —"

"لگاؤں گا —" کالکا بولا — "دلیپ بابو آپ نے کبھی ایسا آدمی دیکھا تھا —"

"نہیں —" انھوں نے جواب دیا — "تمھیں تو اس نے زندہ ہی کر دیا ہے —"

"ہاں جی —" کالکا نے کہا — "یوں تو سب کچھ بھگوان ہی کرتے ہیں لیکن میاں جی کا سہارا نہ ہوتا تو ہم لوگ مر ہی گئے تھے —"

"وہ کہاں کے رہنے والے تھے —" دلیپ نے پوچھا۔

"یہ تو بتایا نہیں —" کالکا بولا — "جہاں کے رہنے والے ہوں گے وہ جگہ بھی بڑی اچھی ہوگی —"

"کیوں نہیں" دلیپ نے کہا — "کسی اچھی بستی ہی میں ایسے لوگ پیدا ہو سکتے ہیں —"

پھر یک بیک دلیپ نے پوچھا — "تمھیں کتنا روپیہ دے گئے تھے —"

کالکا نے ٹالتے ہوئے جواب دیا ۔۔۔ "کام چل جائے گا۔ مگر دلیپ بابو مقدمے کا کیا ہوگا۔؟"

دلیپ نے کہا ۔۔ "کسی پر جھوٹی گواہی نہ دینا کالکا ۔۔ یہ بہت بڑا پاپ ہے ۔"

کالکا بولا ۔۔ " وہ تو ہے مگر میرے رادھے کو جن لوگوں نے مارا ہے ان سے بدلہ ضرور لوں گا دلیپ بابو۔"

"کس طرح ؟" دلیپ نے پوچھا۔

کالکا نے آہستہ سے کہا ۔۔ "کمل کو قتل کروں گا۔"

ایک لمحہ ٹھہر کر دلیپ نے کہا ۔۔ " اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا کمل کو سزا دینے کے لئے ہندو مسلم ایکتا کی ضرورت ہے۔ اگر ہم لوگ مل کر اس کی منافع خوری کو ختم کر دیں تو وہ اپنی موت آپ مرجائیں گے۔"

کالکا اس کا جواب نہ دے سکا ۔ وہ سیاسی لڑائی لڑنا نہیں جانتا تھا ۔!

اتنے میں چھوٹے واپس آگیا ۔۔ کالکا نے دور ہی سے پوچھا ۔ "کچھ پتا ملا چھوٹے ۔"

"ہاں ۔" چھوٹے نے جواب دیا ۔۔ " وہ دریا پور چلے گئے ۔"

" اچھا ۔" کالکا نے کمزور لہجے میں کہا ۔ " پتہ نہیں ، ملے بغیر کیوں چلے گئے ۔"

چھوٹے نے کہا ۔۔ "میں دریا پور جاؤں گا ۔ جانے سے پہلے چاں

جی کے پاؤں چھوئے۔"

کالکا بولا — "گاڑی مل جائے تو کرے چھوٹے ۔ میں بھی چلوں گا اٹیشن اسٹیشن تک پہونچانے ضرور جاؤں گا۔"

چھوٹے نے کہا گاڑی مل جائے گی ۔ آٹھ روپیہ لے گی ۔"

" جانے آ ۔" کالکا نے کہا ۔"آج ہی چلیں ۔ ایسا نہ ہو کہ میاں جی چلے جائیں ۔"

دلیپ نے آہستہ سے کہا — جگہ ہو تو میں بھی بیٹھ لوں ۔"

جگہ بہت ہے کالکا نے کہا ۔" ہم دو ہی آدمی تو ہوں گے ۔ پاؤں میں چوٹ نہ ہوتی تو پیدل ہی جا سکتا تھا ۔"

دلیپ نے کہا ۔" گھنٹہ بھر بعد چلو گے ؟"

"اور جلدی ۔" کالکا نے کہا ۔" وقت ملا تو لوٹ بھی آئیں گے ۔"

" میں ابھی آیا جاتا ہوں ۔" کہہ کر دلیپ بابو اپنے گھر چلے گئے ۔

ایک گھنٹے کے بعد گاڑی ہانک دی گئی ۔ پھل باسا بھی پیچھے بیٹھ لی ۔

جس گاؤں میں ہندو مسلم فساد کہا جاتا تھا وہیں کے تین انسان ایک مسلمان کی محبت میں دیوانے ہو رہے تھے ۔

اصل یہ تھی کہ لڑائی سیاسی تھی جسے مذہبی رنگ دے دیا جاتا ہے ۔

ارجن سنگھ نے ایک دن کے لئے رحمت کو روک لیا تھا ۔ وہ چاہتا تھا کہ شام کو کتھا کر کے سب لوگوں سے رحمت کا تعارف کرائے

تعارف سے زیادہ تعریف۔ لیکن رحمت اس نمائش کے لیے کسی طرح راضی نہیں ہوا۔ اس نے کہا۔۔ "ارجن بھائی۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اللہ کے لئے کیا ہے۔ لوگوں کو دکھانے کے لئے نہیں۔"

ارجن سنگھ بولا ۔۔ "بات تمہاری ٹھیک ہے۔ مگر دنیا میں ایسا سوچنے والے بہت کم ہیں۔"

کھٹا نہیں ہوئی۔ مگر دس بارہ آدمی وہاں آتے ہی جاتے رہے۔۔ اور دوپہر کے قریب کالکا کی گاڑی بھی آکر ارجن سنگھ کے گھر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

رحمت نے مسکرا کر ارجن سنگھ سے کہا ۔۔ "آخر کالکا پھر آگیا۔"

وہ لوگ گاڑی سے اترے۔ سب کے چہرے پرمسرت تھے۔ تینوں آدمیوں کے پیچھے پھول باسا بھی گھونگھٹ نکالے آرہی تھی۔

چھوٹے نے مسکرا کر کہا۔۔ "آخر ہم لوگوں نے تمہیں ڈھونڈھ ہی لیا میاں جی۔"

رحمت نے کہا ۔۔ "کیا میں کھو گیا تھا؟"

"اور کیا۔" کالکا بولا ۔۔ "ہم لوگ سویرے سے ڈھونڈھ رہے ہیں۔"

رحمت نے دلیپ بابو کو اپنے قریب بٹھایا۔ کہا ۔۔ "آپ نے کیوں تکلیف کی دلیپ بابو۔"

انھوں نے کہا ۔۔ "یہ لوگ آرہے تھے، میں نے سوچا، ذرا

اسٹیشن پر ٹھہرے ہوئے مسلمانوں سے بھی مل لوں۔ میدان پر پڑے ہیں۔
بڑی مصیبت میں ہوں گے۔"

سب لوگوں نے دلیپ بابو کی طرف دیکھا۔

"میں کل جاؤں گا۔" رحمت نے کہا۔

دلیپ بابو نے پوچھا۔" جہاز کب جائے گا۔"

"وہ چلا گیا ۔۔" رحمت نے غم گین لہجے میں جواب دیا ۔۔" اب گھر ہی جاؤں گا۔"

اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے

ارجن سنگھ نے بات کاٹ دی ۔ کہا ۔۔" ابھی کیا معلوم کل بھی نہ جا سکیں۔"

اور وہ ہنسنے لگا۔

رحمت نے کہا ۔" نہیں، کل ضرور جاؤں گا۔"

دلیپ بابو نے کہا ۔۔" میں تو آج ہی اسٹیشن جا کر گھر چلا جاؤں گا۔"

پھر انھوں نے کالکا سے پوچھا ۔۔" تم لوگ کہاں جاؤ گے کالکا؟"

"ہم گھر لوٹ جائیں گے ۔" کالکا بولا۔

ارجن سنگھ نے کہا ۔۔" کیا میاں جی کو اسٹیشن تک بھی نہ پہونچاؤ گے کالکا؟"

"جی تو چاہتا ہے ۔" کالکا بولا۔

چھوٹے نے کہا ۔۔" میں تو یہیں کہیں پڑ رہوں گا۔ اسٹیشن تک

ساتھ ہی چلوں گا۔"

ارجن سنگھ نے کہا ۔" سب ساتھ چلیں گے ۔ آج تم لوگ میرے مہمان ہو۔ گاڑی واپس کر دو ۔ کوئی جائے گا نہیں ۔"

یہ تو سبھی چاہتے تھے ۔ لیکن کہنا نہیں چاہتے تھے ۔

اس دن سب لوگ ارجن سنگھ کے مہمان رہے ۔ رات کو کھتا نہیں ہوئی لیکن گاؤں کے بہت سے آدمی ارجن سنگھ کے یہاں جمع ہو گئے ۔ جب جمع ہوئے تو رحمت اور کالکا کی بات بھی چل نکلی ۔ جنھیں پورا قصہ نہیں معلوم تھا انھوں نے بہت حیرت سے اس آدمی کو دیکھا ۔

رحمت کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا ۔ اپنی تعریف سن کر جیسے اسے شرم آ رہی تھی مگر کسی کو روک بھی نہیں سکتا تھا ۔ کالکا اس قصے کو ختم ہی ہونے نہیں دیتا تھا ۔

گاؤں کے بوڑھے لالہ جی ، جو پہلے کسی اسکول میں ماسٹر تھے اب گاؤں کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے بولے ۔" رحمت میاں ، یہ لوگ آپ کا احسان کیسے اتار سکتے ہیں ۔"

رحمت آہستہ سے بولا ۔" میں نے کسی پر احسان نہیں کیا ہے اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ لوگوں پر میرا احسان ہے اور اس کا بدلہ بھی دینا چاہتے ہیں تو کسی طرح نیرنگ پور کے جھگڑے کو ختم کرائیے ۔ سب لوگ پہلے ہی کی طرح پھر مل جل کر رہنے لگیں ۔"

دلیپ بابو کی طرف دیکھ کر لالہ بولے ۔" مگر یہ کام تو دلیپ بابو

اور نیرنگ پور کے دو ہیرے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔"
"نہیں۔" رحمت نے کہا۔ "دلیپ بابو کی مدد آپ بھی کر سکتے ہیں اگر آپ کے گاؤں والے نیرنگ پور جاکر لوگوں کو سمجھائیں تو انھیں بھی خیال ہوگا کہ لوگ اس طرح کے جھگڑے بکھیڑے کو اچھا نہیں سمجھتے۔"
لالہ نے دوسرے لوگوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کہو بھائیو، کیا رائے ہے۔"
سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ہم لوگ ضرور چلیں گے۔ ایسے جھگڑوں سے ملتا کچھ نہیں ہے، دیس کی بدنامی ضرور ہوتی ہے۔"
رحمت نے کہا۔ "جس دن آپ لوگ نیرنگ پور چلے گئے۔ میرا احسان اتر گیا۔"
وہ ہنس کر بولا۔ "حالانکہ میں نے کسی پر احسان نہیں کیا ہے۔"
"وہ ہم سمجھتے ہیں۔" لالہ نے جواب دیا۔
بڑی رات تک یہ محفل جمی رہی۔ پھر رفتہ رفتہ لوگ گھروں کو گئے کھانا پینا ہوا۔ اور پھر سب لوگ سو گئے۔
دوسرے دن گاؤں کے قریب قریب سبھی لوگ رخصت کرنے آئے رحمت لوگوں سے مل جل کر گاڑی پر بیٹھ گیا۔ اس خلوص و محبت پر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ گاؤں کے سبھی باشندے ہندو تھے۔ اکیلا وہی مسلمان تھا۔ لیکن کسی کے دل میں بھی اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے نفرت نہیں تھی۔ سب کی آنکھوں میں محبت کے آنسو تھے۔

دل بہرحال جیتے جا سکتے ہیں۔ کیوں کہ کمل کے ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔

دوسرے دن دو گاڑیاں گاؤں سے روانہ ہوئیں۔ رخصت کرنے بہت سے لوگ آئے۔ رحمت نے آخری مرتبہ کامنی کو دروازے کے پاس آنکھیں پونچھتے ہوئی دیکھا۔ اس کا دل بے چین ہوگیا۔

چلتے چلتے بولا ـــ" ذرا میں بہن کو سلام کروں۔"

وہ دروازہ کے قریب کھڑا ہوگیا۔ کامنی سسکیاں لینے لگی۔

تھوڑی دیر تک رحمت کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ پھر رک رک کر بولا ـــ" بہن، مجھے معاف کرنا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ہمیشہ خوش وخرم رکھے۔"

کامنی کی سسکیاں اور تیز ہوگئیں ـــ بس وہ باہر نکلی جھک کر رحمت کے پیروں کو ہاتھ رکھے ـــ پھر ماتھے سے ہاتھ لگا کر بولی ـــ" کبھی پھر آنا بھائی ـــ"

" اچھا ـــ" رحمت کی آنکھوں سے کئی بوند آنسو نکل کر داڑھی پر بہنے لگے۔

کامنی منہ چھپا کر اندر چلی گئی۔

رحمت آنکھیں پونچھتا ہوا واپس ہوا۔

کوئی دس بجے دن میں یہ لوگ اسٹیشن پہونچے۔ اسٹیشن کے باہر نیرنگ پور کے مسلمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ کھلے آسمان کے نیچے ہندتان

کہ وہ لوگ پڑے ہوئے تھے جو اپنے ہی وطن میں بے وطن تھے۔ جن کے لئے اپنے گھروں میں جگہ نہیں رہی تھی۔ وقت ان لوگوں کے حق میں تھا جو اپنے وطن کو تقسیم کرنے پر تلے ہوئے تھے ــــــ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی میں ــــ!

دونوں گاڑیاں رک گئیں۔ مسلمانوں نے دلیپ بابو کو پہچانا اور کسی کو وہ جانتے نہیں تھے۔

کئی مسلمان اس کے پاس آگئے ــــ "آداب عرض دلیپ بابو۔"

"آداب بھائی ــــ" دلیپ بابو نے شرمندہ چہرے کے ساتھ جواب دیا۔

پھر پوچھا ــــ "کیا آپ لوگ ابھی گاؤں نہیں چلیں گے۔؟"

ایک مسلمان نے جواب دیا ــــ "آپ لوگ بلائیں گے تو چلیں گے کیوں نہیں ــــ کوئی خوشی سے اپنا گھر نہیں چھوڑتا دلیپ بابو۔"

دلیپ بابو نے کہا ــــ "ہم لوگ اسی لئے آئے ہیں کہ آپ لوگوں کو گاؤں لے چلیں۔"

انھوں نے ارجن سنگھ کی طرف اشارہ کیا ــــ کہا ــــ "یہ دریا پور سے آئے ہیں۔ وہاں کے ٹھاکر ہیں ــــ اور یہ کالکا ہیں۔ جن کا لڑکا مارا گیا تھا

کالکا بولا ــــ "میں جھوٹی گواہی نہیں دوں گا۔ میرے بیٹے کو مول چند شاہ کے نوکر نے مارا ہے مجھے معلوم ہے۔"

دلیپ بابو نے رحمت کی طرف اشارہ کرکے کہا ــــ "اور یہ سب

ان کی وجہ سے ہوا۔ رحمت میاں ہمارے گاؤں میں رحمت کا فرشتہ بن کر آگئے تھے۔ انھوں نے ہمارے دل بدل دیئے ہیں۔"

سب مسلمانوں نے رحمت کی طرف دیکھا ۔" سلام علیکم "

" وعلیکم السلام ۔" رحمت نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا ۔ " یہ سب لوگ کہیں تو آپ لوگ گاؤں چلے جائیے گا ۔ ایک دوسرے پر بھروسہ کئے بغیر کوئی کام نہیں چل سکتا ۔"

اس خوف میں کہ کہیں پوری کہانی پھر نہ دہرائی جانے لگے اس نے دلیپ بابو سے کہا ۔" آپ یہاں ٹھہریئے میں اسٹیشن چل رہا ہوں اور وہ آگے بڑھا۔

" ذرا ٹھہریئے ۔ ہم لوگ بھی چل رہے ہیں ۔" دلیپ بابو نے اس کا مطلب سمجھ لیا۔

" آپ آئیے گا۔ میں چل رہا ہوں ۔" وہ آگے بڑھ گیا۔

ایک مسلمان نے پوچھا ۔" یہ کون ہیں ۔ ہم لوگ تو جانتے بھی نہیں ہیں ۔"

کالو نے اسٹیشن کی طرف چلتے ہوئے کہا ۔" یہ میرے دیوتا ہیں لوٹ کر بتاؤں گا ۔"

گاڑیاں وہیں چھوڑ کر سب آنے والے اسٹیشن کی طرف چلے گئے۔

ٹرین کا کوئی وقت تو معلوم نہیں تھا۔ رحمت نے اندر جاکر اسٹیشن ماسٹر سے کہا ۔" بابو جی، گاڑی لٹنے کے بعد میرا کچھ سامان ملا تھا

یا نہیں۔"

بابو جی نے عینک کے اندر سے جھانکا ــ "کس کا سامان؟"

"میرا نام رحمت ہے ۔" اس نے جواب دیا ــ میرے ساتھ سید نصرت علی صاحب بھی تھے ۔ شاید وہی میرا سامان لے گئے ہوں گے ۔ ہم لوگ حج کو جارہے تھے ۔"

بابو نے مسکرا کر کہا ــ "حج کو جا رہے تھے ۔ لیکن اتنے دن غائب کہاں رہے ؟"

"یہیں ایک گاؤں میں تھا ــ" وہ بولا ــ "میرا کچھ سامان ہے یا نہیں ۔"

"سب ہے" ــ بابو نے کہا ــ "ہمیں یہ تو معلوم تھا کہ آپ ٹرین سے زندہ نکل گئے ہیں ۔ لیکن بڑا تعجب تھا کہ پھر لاپتہ کہاں ہو گئے ــ؟ کوئی آپ کو پہچاننے والا ہے ۔"

"ہاں ہے" رحمت نے جواب دیا۔

اس نے دیپ بابو اور ارجن سنگھ کو اندر بلایا

دونوں بیٹھ گئے ۔

بابو نے کہا ــ "ہم لوگ بڑے چکر میں تھے ــ یہ ٹرین سے نکل گئے تھے ان کے ساتھی کہتے تھے کہ یہ زندہ ہیں ۔ پھر غائب ہوئے تو پتہ ہی نہیں چلا ۔

بابو نے رحمت کا سامان نکلوایا ۔ دستخط لئے ۔ شناخت کرائی اور مختصر

سی گٹھری اس کے حوالے کر دی۔

ٹرین دو بجے دن کو جاتی تھی۔ پلیٹ فارم پر جا کر رحمت نے کہا ـــــ
"اب آپ لوگ جائیں۔"

"ٹرین پر بٹھا کر جائیں گے۔" کالکا بولا

"نہیں۔" رحمت نے آہستہ آہستہ کہا ـــ "اس وقت مجھے دکھ ہو گا۔ جب تک آپ لوگ باہر جا کر مسلمانوں کو گاؤں چلنے پر راضی کریں۔"

ارجن سنگھ نے تائید کی ـــ "ہاں اس وقت ہمیں بھی دکھ ہو گا۔ مگر تم نے اپنا پتہ تو ابھی تک بتایا نہیں رحمت میاں۔ کم سے کم خط و کتابت تو ہوتی ہی رہے۔"

رحمت بولا ـــ میں جلد ہی پھر آؤں گا۔ سب بھائیوں سے ملے بغیر مجھے بھی چین نہیں ملے گا۔"

"بھول نہ جانا رحمت بھائی ـــ" ارجن سنگھ نے کہا۔

"نہیں۔" رحمت نے جواب دیا ـــ "یہ دیکھنے ضرور آؤں گا کہ آپ لوگ پیار و محبت سے رہنا سیکھ گئے ہیں یا نہیں؟"

اس نے دلیپ بابو کی طرف دیکھ کر کہا ـــ "یہ کام آپ کے ذمے ہے۔ دلیپ بابو۔"

"میں پوری کوشش کروں گا ـــ" دلیپ بابو نے کانپتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

پھر وہ لوگ گلے مل کر، آنسو بہا کر، دکھی دل کے ساتھ اسٹیشن کے

چلے گئے

"ابا" سسکیاں لیکر رویا ـــ "بھگوان کے لئے مجھے بھول نہ جانا بھائی۔
رحمت نے زور سے اسے گلے لگا لیا ـــ "ابا میں دعا کرتا رہوں گا
اللہ تمھیں ہمیشہ خوش رکھے۔"
چھوٹے الگ کھڑا بسور رہا تھا ـــ اس نے سب سے بعد میں دونوں
ہاتھ جوڑ کر سلام کیا۔
"میرے پاس آؤ۔" رحمت اس کی طرف بڑھا۔ پھر قریب جا کر
اسے گلے لگا لیا۔
چھوٹے کے منہ سے چیخ نکل گئی۔
اور اب صرف پھل باسا رہ گئی تھی وہ جھکی اور رحمت کے پاؤں چھونے
کی کوشش کی۔ رحمت ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ بولا ـــ "یہ کیا کرتی
ہے پھل باسا۔"
پھل باسا ٹھٹھک کر رہ گئی۔ وہ مہترانی تھی۔ رحمت اس کے ہاتھ
اپنے پیروں سے لگانے پر تیار نہیں تھا ـــ پھل باسا یہی سمجھی تھی۔ اور
جب رحمت نے اس کی طرف دیکھا تو وہ پھل باسا کے چہرے سے سمجھ گیا
کہ اس عورت نے بات کو بالکل ہی غلط طریقے سے سمجھا ہے۔
مسکرا کر بولا ـــ "پھل باسا، تو ٹھٹھک کر کھڑی کیوں ہو گئی ؟"
وہ بولی مہترانی کے ہاتھ کسی کے پاؤں چھونے کے قابل نہیں ہوتے۔
میاں جی ـــ"

رحمت نے آگے بڑھ کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا ـ بولا ـ "تو بھی میرے سر پہ ہاتھ رکھ لے بھل باسا" ـ اس نے بھل باسا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھ لیا۔

پھر کانپتے ہوئے لہجے میں بولا ـ " میں اس قابل نہیں ہوں کہ کوئی میرے پاؤں پر ہاتھ رکھے ـ " اللہ کے سوا کسی کے آگے جھکنا بڑا گناہ ہے۔"

بھل باسا کوئی جواب نہ دے سکی۔ آنکھیں پونچھتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔

اسٹیشن کا عملہ بہت ہی حیرت سے یہ سب دیکھتا رہا. وہ جانتے تھے کہ اس علاقے میں بڑا سخت ہندو مسلم تناؤ ہے۔ حکام بھی یہی سمجھتے تھے اخبار بھی یہی لکھ رہے تھے لیکن عمل میں جو کچھ ہو رہا تھا۔ اس کی خبر نہ حکام کو تھی اور نہ اخباروں کو ـ یا شاید سبھی ہندوستان کو بدنام کرنے کی سازش میں لگے ہوئے تھے۔ کیونکہ انھیں رحمت ، ارجن سنگھ ، چھوٹے اور کالکا کی خبر نہیں ملے گی اور وہ دنیا کو پیار و محبت کی یہ بات کبھی نہیں سنائیں گے آب حیات کے اس چشمے کا پتہ لگانا کاتب تقدیر نے ہماری قسمت میں لکھ دیا ہے۔

بالکل اخیر میں پال سنگھ آیا۔ مہندی لگا کر سرخ کیا ہوا لٹھ ہاتھ میں اور جودھپوری صافہ باندھے ہوئے آگے بڑھ کر رحمت سے لپٹ گیا ـ

معاف کرنا چاچا ، ذرا دیر ہو گئی ـ" اس نے رندھے ہوئے گلے سے کہا۔

رحمت نے بھی گرم جوشی سے اسے گلے لگا لیا ـ بولا ـ "میرا دل بار بار کہہ رہا تھا کہ ایک سورما آتا ہی ہوگا۔"

"نہیں چاچا ——" پال سنگھ نے اٹھتے ہوئے کہا —— "سورما تو تم ہو۔ میں تو تمھارا سپاہی ہوں۔"

رحمت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا —— "اللہ نے تمھیں صحت اور طاقت دی ہے اسے کمزوروں کی مدد میں لگانا پال سنگھ۔ ایسا نہ ہو کہ اسے کمزوروں کے خلاف استعمال کرنے لگو۔"

"نہیں پال سنگھ بولا —— "جو سبق تم نے سکھایا ہے، چاچا اسے بھگوان کی قسم کبھی نہیں بھولوں گا۔"

رحمت نے آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے گال سے لگایا —— "اللہ تمھیں اس وعدے پر قائم رکھے۔"

پال سنگھ کی آنکھوں سے کئی بوند آنسو ٹپکے —— "ایک بار مجھے اپنے گھر ضرور بلانا چاچا ——"

"اچھا، رحمت نے جواب دیا۔

اور پھر پال سنگھ بھی سب کے ساتھ اسٹیشن کے باہر چلا گیا۔ لیکن یہ سب لوگ جا کر مسلمانوں سے باتیں کرنے لگے —— اور یہ باتیں صرف رحمت کے بارے میں تھیں۔

اسٹیشن کے لوگوں نے رحمت سے پوچھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے اتنا ہی کہا —— "میں گھبرا کر ان لوگوں کے گاؤں پہونچ گیا تھا۔ انھوں نے مجھے پناہ دی اور پھر یہاں پہونچا دیا۔"

جب ٹرین آئی تو رحمت اپنی گٹھری لیکر تیسرے درجے کے ایک ڈبے

میں گھس گیا ـــــ اور پھر یکا یک اسے پہونچانے والے سبھی اندر آ گئے ۔ اور اب قریب قریب سبھی مسلمان بھی ان کے ساتھ تھے۔

رحمت نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا ـــــ" اب آپ لوگ تکلیف نہ کریں ۔ جائیں ۔"

ایک مسلمان بولا ـــــ" آپ نے ہم لوگوں کے لئے جو کیا ہے اس کا شکریہ ادا کرنے کا موقع بھی نہیں ملا ۔"

رحمت نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا ـــــ" سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے بھائی ۔ اللہ آپ لوگوں کی مدد کرے گا ۔"

اس نے پال سنگھ کی طرف اشارہ کر کے کہا ـــــ" یہ سب آپ کے ساتھ ہیں ۔ اللہ سب مصیبتیں دور کرے گا ۔"

ان لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تھے ـــ کہا ـ" آپ تو فرشتۂ رحمت بن کر آئے اور رخصت ہو گئے ۔ ہمیں پتہ نشان بھی نہ بتایا ۔"

گارڈ نے سیٹی دی ۔ رحمت نے سب کو سلام کیا ۔ سب کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں اور جب ٹرین رینگنے لگی تو پہلے کا لکا چیخ کر رو دیا ۔ اور پھر چھوٹے اور بھول باسا کی آواز بھی کالکا کی آواز میں شامل ہو گئی ۔

ٹرین کے لوگوں نے بھی تعجب سے یہ سب دیکھا ۔ اور اسٹیشن کے عملے نے بھی ۔

جب ٹرین نکل گئی تو اسٹیشن ماسٹر نے بہت تعجب کے ساتھ پوچھا " آخر یہ کون آدمی تھا جس کے لئے تم سب اتنے غمگین ہو رہے ہو ۔"

کا لگائے روتے ہوئے کہا ــــ اور پھر اس نے پوری تفصیل سے ایک ایک بات اسٹیشن پر دہرائی۔

اسٹیشن ماسٹر نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا ــــ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں بھی ان کی تھوڑی بہت خدمت کرلیتا۔ ایسے آدمی آج کل کہاں ملتے ہیں۔"

اور پھر خلوص و محبت کے آب حیات سے بھرے ہوئے دل وہاں سے روانہ ہو گئے۔

* * * * * *

گیارہ!

● راستے میں سید صاحب رحمت کو بھول گئے تھے لیکن ایک مرتبہ انھوں نے بمبئی سے بندرگاہ پر اسے پھر جہاز سے اترتے آگے آگے جاتے ہوئے دیکھا اور وہ دور تک اسے دیکھتے رہے۔ وہ روح نہیں تھی ۔ مجسم رحمت تھا۔ ایک مرتبہ پھر سید صاحب کا یقین گمان میں بدل گیا کیونکہ انھیں یقین ہو چکا تھا۔ کہ رحمت مرگیا اور اس کی روح فریضۂ حج کی ادائیگی میں مصروف ہے۔

مگر پھر نہ وہ کسٹم میں ملا اور نہ مسافر خانے میں

مگر اب سید صاحب کو ایک اور ذمہ داری کا خیال آیا۔

اگر رحمت اسٹیشن کے حادثے میں مرگیا ہے تو وہ اس کے گھر والوں کو کیا جواب دیں گے ۔ وہ کیسے مرا ؟ کس نے دفن کیا ؟ کہاں دفن کیا ؟ اس کا سامان اور روپیہ کیا ہوا ؟ —— ان سب باتوں کا وہ کیا جواب دیں گے ۔

اگر یہ کہیں کہ انھیں کچھ معلوم نہیں تو لوگ کہیں گے کہ کیسے خودغرض آدمی تھے جنھوں نے ساتھ دے جاکر بھی رحمت کی خبر نہ لی ۔ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔

آخر انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ نیرنگ پور اسٹیشن پر اتر کر رحمت کے بارے میں پوری باتیں معلوم کرکے گھر جائیں گے تاکہ قصبے میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اور پھر انھوں نے نیرنگ پور اسٹیشن کا ٹکٹ لیا۔

شام کو وہ اسٹیشن پر اترے۔ اس کے بعد رات بھر کوئی گاڑی لکھنؤ کے لیے نہیں رکتی تھی۔

انھوں نے اپنا سامان ویٹنگ روم میں رکھا یا۔ قلی کو نگرانی کے لئے چھوڑا اور پھر اسٹیشن ماسٹر کے کمرے میں جاکر کہا ۔۔۔" آپ کو یاد ہوگا کہ میں ٹرین کے حادثے کے بعد آپ سے ملا تھا۔"

اسٹیشن ماسٹر نے غور سے انھیں دیکھ کر کہا ۔۔۔" جی ہاں مجھے یاد ہے۔"

سید صاحب نے کہا ۔" میں نے اپنے ایک ساتھی کا پتہ آپ کو لکھایا تھا۔ اس کا نام رحمت تھا۔ سامان بھی محفوظ کرا دیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں اس پر کیا گذری۔"

اسٹیشن ماسٹر نے جواب دیا ۔۔۔" وہ تو ایک فرشتہ صفت انسان تھے۔ ان کی عجیب کہانی تھی۔ ذرا مجھے کام ختم کر لینے دیں تو تفصیل سے

اُن کی کہانی سناؤں گا۔

جب اسٹیشن ماسٹر کو چھٹی ملی تو انھوں نے رحمت کا پورا واقعہ بیان کیا۔ اس کے جانے کے بعد جس طرح دو چار گاؤں کے ہندو جمع ہو کر اسٹیشن سے مسلمانوں کو لے گئے تھے، اس کا بھی ذکر کرکے بولے ـــ "میں تو یہی کہوں گا کہ وہ آدمی نہیں فرشتہ تھے اور اسی کام کے لئے یہاں بھیجے گئے تھے۔"

سید صاحب نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا ـــ "آپ سچ کہتے ہیں ایسا آدمی واقعی فرشتہ ہی ہو سکتا ہے۔"

اور جب سید صاحب اپنے سامان کے پاس آکر بیٹھے تو تنہائی میں انھوں نے ایک ہی بات سوچی ـــ "معلوم نہیں اللہ نے میرا حج قبول بھی کیا یا نہیں لیکن رحمت کو اللہ تعالٰے نے حج ہی نہیں کرایا، حج اکبر بھی کرایا"

اب انھوں نے غور کیا کہ ان کے آگے آگے فرائض حج ادا کرنے والا رحمت ہی تھا جیسے فرشتے حج ادا کرا رہے تھے۔ وہ خود پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور رحمت آگے آگے چل رہا تھا۔ خوش نصیب رحمت، جس نے اللہ کے گھر تک پہونچنے سے پہلے ہی حج اکبر کا ثواب حاصل کر لیا تھا۔

دوسرے دن اسٹیشن کے عملے نے سید صاحب کو ادب کے ساتھ رخصت کیا کیونکہ وہ رحمت کے ساتھی اور ہم وطن تھے۔ سب نے رحمت کو سلام کہلایا اور ایک مرتبہ وہاں آنے کی درخواست کی۔

سید صاحب ان کی عقیدت سے بہت متاثر ہوئے۔

بمبئی سے چلتے وقت سید صاحب نے لکھنؤ پہونچنے کا تار دیدیا تھا قصبے کے بہت سے آدمی لکھنؤ پہونچ گئے تھے گھر پر میلا د شریف

کا انتظام تھا۔ لاؤڈ اسپیکر لگا ہوا تھا۔ اور مذہبی گانے نشر کئے جا رہے تھے بڑا اہتمام تھا۔ ہر طرف مسرت و شادمانی کا غلغلہ تھا۔

"ایک رحمت تھا ۔۔" کسی نے کہا ۔۔ "راستے سے لوٹ آیا۔ جانے کی ہمت ہی نہیں پڑی۔"

دوسرے نے رائے دی ۔۔ "سب کو یہ سعادت کہاں نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کسی نہ کسی ذریعے سے ایسے آدمیوں کو روک دیتا ہے جو خلوص دل سے اس کے گھر کی حاضری دینا نہیں چاہتے"

"رحمت کیسا شرمندہ تھا ۔۔" پہلا بولا ۔۔ "میں نے پوچھا ۔۔ گئے کیوں نہیں رحمت چچا ۔۔ شرما کر جواب دیا ۔۔ "بس سمجھو طبیعت خراب ہو گئی"

اس نے ہنستے ہوئے کہا ۔۔ "بہانہ کرنا بھی نہ آیا چچا کو ۔۔ جب سے آئے ہیں۔ لوگوں سے منہ چھپائے چھپائے پھر رہے ہیں۔"

ایک نے کہا ۔۔ "سید صاحب سے معلوم ہوگا کہ آخر وہ لوٹ کیوں آئے؟"

ہوا بھی یہی تھا ۔۔ جب رحمت خاموشی کے ساتھ اپنے گھر آگیا تو بہت سے لوگوں نے اس کے واپس آجانے کا سبب جاننا چاہا۔ رحمت نے اتنا ہی کہا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں رہی تھی۔ راستے سے واپس آگیا۔

لیکن لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ بیمار نہیں ہے اور سویرے کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے بھی دکھائی دیا۔"

لوگوں نے فیصلہ کیا کہ وہ پست ہمت تھا۔ اسی لئے راستے سے واپس آگیا۔

جب سید صاحب قصبے کے بس اڈے پر اترے تو انھیں پھولوں سے لاد دیا گیا۔ جلوس کے ساتھ گھر پہونچایا گیا۔ میلاد شریف ہوا۔ مٹھائی تقسیم کی گئی اور پھر لوگوں نے سفر اور حج کے واقعات پوچھنا اور سننا شروع کئے۔

سب نے اس بات کو محسوس کیا کہ اس جشن میں رحمت شریک نہیں ہے —— اور وہ اس دن واقعی اپنے کھیتوں ہی پر رہا —— قصبے میں نہیں آیا۔

دوسری باتوں کے ساتھ کسی نے یہ بھی پوچھا —— "اور رحمت کیوں واپس آگئے ـ؟"

سید صاحب نے ایک لمحہ ٹھہر کر جواب دیا —— "راستے میں ٹرین بدلتے وقت وہ کہیں رہ گئے اور پھر مجھے نہیں ملے۔"

"گھر بھاگ آئے —" ایک شخص نے مسکرا کر کہا —" کہتے ہیں طبیعت خراب ہو گئی تھی۔"

"ممکن ہے —" سید صاحب نے آہستہ سے کہا۔

ایک صاحب بولے —" اللہ بڑے ہی خوش نصیب لوگوں کو یہ سعادت عطا فرماتا ہے —— دل کی نیکی اور ایمان کی مضبوطی کے بغیر کوئی اللہ کے گھر کی حاضری نہیں دے سکتا۔"

سید صاحب خاموش رہے۔

ایک نے مسکرا کر کہا — "وہ سید صاحب سے ملنے کبھی تو نہیں آئے۔ بیچارے شرمارہے ہوں گے۔"

سید صاحب نے بات ٹالنے کے لئے کہا — "اب کی جمعہ کو میلاد شریف کرانا چاہتا ہوں۔"

"ضرور کیجئے — " لوگوں نے رائے دی — " اللہ نے نیک کاموں کے لئے آپ کا دل کھول دیا ہے —"

اور یہ بات طے ہو گئی کہ اگلے جمعہ کو حج کی خوشی میں میلاد شریف ہوگا۔

جب رحمت شام تک نہیں آیا تو نماز مغرب کے بعد سید صاحب اس کے مکان پر پہونچے۔

"رحمت بھائی —" انھوں نے پکارا حالانکہ پہلے وہ صرف رحمت ہی کہتے تھے۔"

رحمت نے اندر ہی سے جواب دیا —" ابھی آرہا ہوں۔ آپ نے بڑی تکلیف کی۔"

اس نے جلدی سے دروازہ کھولا —" سلام علیک — اندر آجائیے۔"

سید صاحب نے سلام کا جواب دیا اور خاموشی کے ساتھ اندر چھپر کے نیچے بیٹھ گئے۔

"کیا بتاؤں ۔" رحمت نے کہا ۔" ٹرین لڑنے کے بعد ایسی طبیعت خراب ہوئی کہ سیدھا گھر بھاگ آیا ۔ آگے جانے کی ہمت ہی نہ رہی۔ اس نے بیوی سے کہا ذرا پان بنا کر بھیجو ۔"

بیوی نے آہستہ سے سلام کیا ۔ کہا ۔" اللہ نے آپ کو حاجی بنایا یہ تو راستے ہی سے لوٹ آئے ۔ مفت میں بدنامی لی ۔ لوگ ابھی تک مذاق اڑا رہے ہیں ۔"

بدنامی کس بات کی ؟" سید صاحب نے پوچھا۔

بیوی نے جواب دیا ۔ حج کے لئے گئے تھے ، راستے سے لوٹ آئے بس اسی پر سب ہنسی اڑا رہے ہیں ۔"

"انھیں کیا معلوم ۔" سید صاحب نے کہا۔

پھر رحمت سے پوچھا ۔ ٹرین لڑنے کے بعد کہاں چلے گئے تھے۔ میں نے تو شام تک تمھارا انتظار کیا تھا ۔

رحمت کچھ اٹک کر بولا ۔" ہاں ، بس عجیب طرح کی طبیعت ہوگئی تھی ۔ گھبرا کر ایک گاؤں کی طرف نکل گیا ۔" وہ مسکرا کر بولا ۔ " دل دہل گیا تھا ۔ ریل کو دیکھ کر ڈر لگنے لگا تھا۔"

پھر دوسرے دن آگئے ہوگے ؟" سید صاحب نے پوچھا۔

" ہاں بس پھر چلا آیا ۔" وہ باقی دنوں کی باتیں صاف اڑا گیا۔

" سید صاحب بولے ۔" مگر تم تو دس بارہ دن کے بعد اسٹیشن پہونچے تھے ۔"

رحمت نے ٹالا ـــــ "پان لاؤ کتنی دیر میں بناؤ گی ـــــ" پھر خود ہی کہنے لگا ـــــ "اچھا، ذرا ٹھہرو، دوپہر کا تھوڑا سا حلوہ بھی تو رکھا ہے۔"

وہ تیزی کے ساتھ کمرے میں گیا۔

سید صاحب بولے ـــــ "نہیں میں اتنی جلدی کچھ نہیں کھاتا عشار کے بعد کھانا کھاؤں گا۔"

رحمت نے اندر ہی سے کہا ـــــ "یہ کھانا کہاں ہے، بس ذرا سا ناشتہ کر لیجئے۔"

وہ طشتری میں حلوہ لیکر باہر آیا ـــ پھر بیوی سے کہا ـــ "آگ جل رہی ہے۔ جلدی سے ایک پیالی چائے بھی بنالو۔"

"نہیں ـــ" سید صاحب نے کہا ـــ "اب زیادہ دیر نہیں بیٹھونگا"

"دیر بالکل نہیں ہوگی ـــ" رحمت بولا ـــ "بس ایک منٹ میں پانی گرم ہو جائے گا۔ دودھ رکھا ہے۔"

سید صاحب نے حلوے کا ایک ٹکڑا اٹھایا۔

رحمت نے گلاس میں پانی لاکر رکھا۔

ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد سید صاحب بولے ـــــ "میں واپسی میں نیرنگ پور اسٹیشن پہ ایک رات رہ کر آیا ہوں۔"

رحمت نے ان کی طرف دیکھا۔

سید صاحب بولے ـــــ "اور وہ سب سنا ہے جو تم نیرنگ پور

میں کرآئے ہو۔"

رحمت آہستہ سے بولا —" ہاں وہ بہت غریب آدمی تھا۔"

"اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے"۔ سید صاحب نے کہا — کہ میں نے تمھیں حج میں بار بار دیکھا ہے۔"

رحمت نے ان کی طرف اس طرح دیکھا جیسے وہ مذاق میں کہہ رہے ہوں۔

سید صاحب بولے —" خدا نہ کرے کہ میں حج کرنے کے بعد بھی جھوٹ بولوں — تم ہمیشہ مجھ سے آگے آگے نظر آئے ہو — اللہ نے تمھیں حج اکبر کرایا ہے۔"

رحمت عجیب حیرت کے ساتھ سید صاحب کی طرف دیکھتا رہ گیا

"خدا کی قسم" سید صاحب نے کہا —" اللہ نے تمھیں حج میں شریک کرایا — اس نے تمھارا حج قبول کیا۔ اور مجھے معلوم نہیں کہ میرا حج قبول بھی ہوا یا نہیں۔"

ان کی آواز کانپنے لگی — وہ اٹھے اور رحمت کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انھیں چوما — اور کئی بوند آنسو آنکھوں سے نکل پڑے۔

"یہ کیا کر رہے ہیں —" رحمت نے اپنے ہاتھ کھینچ لئے۔

"تم اسی عزت کے قابل ہو رحمت —" سید صاحب نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا —" اب مجھے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی خدمت کرنا

بھی حج سے کسی طرح کم نہیں ہے۔"

اور پھر جیسے بند ٹوٹ جائے اور رکا ہوا پانی تیزی کے ساتھ بہہ نکلے رحمت سسکیاں لے رہا تھا۔ آواز اس کے حلق میں اٹک گئی تھی۔ کچھ کہہ رہا تھا جو سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

سید صاحب نے اسے گلے سے لگا لیا۔ گلوگیر لہجے میں بولے "روتے کیوں ہو رحمت ۔۔۔ اللہ کا تم پر کرم ہے۔ اس نے تمھاری غریب نوازی کو قبول کرلیا ہے۔"

رحمت نے روتے ہوئے کہا ۔۔۔ "میں بڑا ہی بدنصیب ہوں۔ اللہ کے گھر کی زیارت سے محروم رہا۔"

"ایسا نہ کہو ۔۔" سید صاحب نے کہا ۔۔۔" میں خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ تم اللہ کے گھر میں بھی مجھ سے پہلے داخل ہوئے اور رسول اللہؐ کی خدمت میں بھی پہلے تمھیں کو حاضری کا موقع ملا۔"

رحمت سسکیاں لیتا رہا۔

بیوی نے باورچی خانے سے سر نکالا کر دیکھا۔

"کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"چائے لے آؤ۔" رحمت نے بھاری لہجے میں کہا۔

بیوی نے چائے بنائی۔ پیچھے سے آکر رحمت کے ہاتھ میں پیالی دیکر کہا ۔۔۔" میں سمجھی کوئی رو رہا ہے۔"

"نہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا اور پیالی لے لی۔

ایک لمحہ خاموشی رہی۔ پھر رحمت نے کہا۔ "ان باتوں کا کسی اور سے ذکر نہ کیجئے گا۔"

سید صاحب نے جواب دیا۔ "وعدہ نہیں کرتا۔ ایسی باتیں چھپانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔"

پھر انھوں نے جمعہ کے دن میلاد شریف میں آنے کا نیوتہ دیا۔ "لاپتہ نہ ہو جانا۔ ضرور آنا۔"

"اچھا۔" رحمت نے جواب دیا۔

⁂ ⁂ ⁂

بارہ !

● جس طرح میلاد شریف میں سید صاحب نے غریبوں کو کھانا کھلایا اس پر قصبے کے لوگوں کو بڑا تعجب تھا۔ لوگ سوچ رہے تھے کہ کیا واقعی حج کے بعد انسان کے دل اور اس کی طبیعت میں ایسی ہی تبدیلی پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ سید صاحب کی پوری زندگی ان کے سامنے تھی۔ آج وہ جس طرح کھانا کھلا رہے تھے اس کی کسی کو امید ہی نہ تھی۔

میلاد شریف میں تقسیم کرنے کے لئے مٹھائی بھی بہت زیادہ بنوائی تھی جب لکھنؤ کے مولوی صاحب آگئے اور وہ تقریر کرنے کے لئے منبر پر تشریف لے گئے تو انھوں نے پہلے حج کی اہمیت اور سعادت کا ذکر کیا۔ پھر سید صاحب کی نیک دلی اور دین داری کی تعریف کی۔ پھر اپنے ہاتھ سے پھولوں کا ایک ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔

اس کے بعد لوگ اٹھے اور اپنے اپنے ہار سید صاحب کے گلے میں ڈالنے لگے۔

جب ہار پڑ گئے اور مولوی صاحب پھر تقریر کرنے لگے تو سید صاحب نے انھیں روکا اور منبر سے اتر کر سیدھے رحمت کے پاس پہونچے جو لوگوں کی آڑ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔

"رحمت بولا "مجھے یہیں بیٹھا رہنے دیجیے۔"

"نہیں۔" سید صاحب نے کہا۔" اس وقت تمھاری کوئی بات نہیں مانوں گا۔ میرے ساتھ آؤ۔"

وہ رحمت کو لے کر منبر پر آگئے۔ اسے اپنے قریب بٹھایا۔ پھر کہا "آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں اور رحمت حج کے لئے ساتھ ہی گئے تھے۔ مگر یہ راستے ہی سے واپس آگئے۔"

باقر چچا، جو منبر کے بالکل قریب بیٹھے تھے بولے۔" ہاں، بیمار ہوگئے تھے۔" اور وہ لوگوں کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

سید صاحب نے کہا۔" نہیں بیمار نہیں ہوئے تھے۔ راستے سے لوٹ آئے تھے۔"

لوگ ہنسنے لگے۔

رحمت کا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا۔

سید صاحب نے کہا۔" مگر یہ ایسا کام کرکے لوٹے ہیں جس کے آگے میرا حج کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔"

سب نے بہت تعجب کے ساتھ سید صاحب کی طرف دیکھا۔

ایک لمحہ ٹھہر کر سید صاحب نے کہا۔ آپ لوگوں کو بڑا تعجب

ہوا کہ حج سے بھی بڑا کوئی کام ہو سکتا ہے — مگر میں کہتا ہوں ہو سکتا ہے۔
میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا — یہ ایسے غریبوں کی مدد کر کے آئے ہیں جن کا زمین پر کوئی سہارا باقی نہیں رہ گیا تھا۔ آج اس جگہ کے لوگ ایک فرشتے کا ذکر کرتے ہیں جو ان کی مدد کے لئے اللہ نے بھیجا تھا۔ مدد کی اور چلا گیا۔"

انھوں نے رحمت کا ہاتھ پکڑ کر کہا — " وہ فرشتہ یہی ہے۔"
رحمت نے سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھوں سے کئی بوند آنسو ٹپک کر زمین پر گرے۔

سید صاحب نے کہا — " اور خدا کی قسم، میں نے رحمت کو حج میں دیکھا کہ وہ مجھ سے آگے آگے تمام فرائض ادا کر رہے ہیں۔ اللہ نے انھیں حج کرا دیا — حج اکبر۔"

سید صاحب کی آواز کانپنے لگی۔ انھوں نے اپنے گلے سے پھولوں کے ہار اتار کر رحمت کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا — " ان پھولوں کے حقدار رحمت ہیں، میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انھیں کی طرح دوسرے مسلمانوں کا بھی حج قبول فرمائے۔"

رحمت جیسے چیخ اٹھا — " یہ کیا کر رہے ہیں سید صاحب۔"
اور وہ سسکیاں لینے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔

سب حیرت سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ سید صاحب کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ سید صاحب نے رحمت کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر انھیں چوما اور پھر آنکھوں سے لگالیا۔

بولے ــــ "لوگو، اللہ کے بندوں کی خدمت کرو وہ تمھیں حج اکبر کا ثواب عطا فرمائے گا۔"

سب نے تائید کی ــــ "آپ سچ کہتے ہیں۔ اللہ سب کو اپنے بندوں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔"

* * * * *

مائل ملیح آبادی

ملیح آباد، لکھنو

اکتوبر ۶۶ء